کرنل شفیق الرحمٰن

دریچے

شفیق الرحمن

۲۰۰۳ء

- انٹرویو

جناب غ۔ بیابانی صاحب! سب سے پہلے میں آپ کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں کہ آپ نے اپنی گوناگوں مصروفیتوں کے باوجود اس اہم انٹرویو کے لئے وقت نکالا۔ امید ہے کہ آج اپنی تخلیقات کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالیں گے۔ یہ حقیقت ہے کہ آپ نے اب تک بھوتوں پر جو کچھ لکھا ہے وہ قابل تحسین ہے۔ آپ کے سبک رفتار قلم سے نکلے ہوئے بھوتوں کے افسانے اور ناول ازحد مقبول ہیں۔۔ شاید اس لئے کہ اس موضوع پر لکھنے والوں کی تعداد کم ہے اور پڑھنے والوں کی زیادہ۔۔ تو بیابانی صاحب یہ بتائیے کہ آپ نے بھوتوں پر قلم کب اٹھایا۔۔؟"

"تقریباً سات برس ہوئے کہ میری پہلی کہانی۔۔"

"میں عرصہ نہیں پوچھ رہا۔ یہ جاننا چاہتا ہوں کہ وہ خاص کیفیت' وہ جانی پہچانی خلش' وہ مخصوص کسک۔۔ جو فن کار کو اظہار پر اکساتی ہے' اس نے آپ پر کب غلبہ پایا؟ غالباً آپ شاعری کو میڈیم بنانا چاہتے تھے۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کونسی وجوہات تھیں جن سے مجبور ہو کر آپ بھوت نویس بن گئے؟ آپ ہی نہیں' لاتعداد آرٹسٹ آفاقی معیار کی تلاش میں تذبذب اور خلجان کے مراحل طے کر کے بالاخر اپنے سامنے ابہام کی دیوار کھڑی دیکھتے ہیں' لہٰذا کسی اور میڈیم کو چننے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ آپ نے بھی شاعری کا ارادہ ترک کر دیا۔"

"لیکن شاعری کے متعلق تو میں نے آج تک سوچا تک نہیں۔۔"

"صحیح فرمایا۔ ایسی باتیں سوچی نہیں جاتیں۔ بچہ بچہ جانتا ہے کہ شاعری محض حساس طبائع

کی مرہون منت ہے۔ نیز جمالیات' اخلاقیات اور نفسیات۔۔ ہر ایک کے بس کا روگ نہیں۔ اس لیے آپ کتنی ہی کوشش کریں' آپ کا شعور آپ کے تحت الشعور پر قابو نہیں پا سکتا۔ ظاہر ہے ایک FRUSTRATED شاعر چند ان جانی وجوہات سے مجبور ہو کر بھوت نگار بن گیا ہے۔ بہرحال چونکہ آپ یہ موضوع منتخب کر چکے ہیں اس لئے میں یہ کہنے میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتا کہ آپ کو مبارکباد کا مستحق ہونا چاہیے کہ اتنی سی عمر میں آپ کو بھوتوں کا اس قدر گہرا اور ذاتی تجربہ حاصل ہوا ہے۔ آپ کی یہ آپ بیتیاں کافی دلچسپ ہیں۔ بتایئے یہ کیوں دلچسپ ہیں؟"

"مگر یہ آپ بیتیاں ہرگز نہیں ہیں۔ جو پراسرار اور ڈراؤنے واقعات دوسروں سے سنے اور دلچسپ معلوم ہوئے انہیں لکھ دیا تھا۔۔"

"اگر یہ آپ بیتیاں نہیں ہیں تو آپ نے صیغہ واحد متکلم کیوں استعمال کیا ہے؟"

"وہ کیا ہوتا ہے؟"

"یہی کہ۔۔ میں نے یہ دیکھا۔۔ میں نے یوں محسوس کیا۔۔ مجھ پر ایسا اثر ہوا۔ ظاہر ہے کہ جہاں یہ میں کا استعمال آپ کی EGO یعنی انا کو ابھارتا ہے وہاں آپ کو دیگر بھوت نویسوں میں ممتاز بھی کرتا ہے۔ ہے نا؟"

"لیکن جہاں دوسرے لکھنے والے اپنے کرداروں کے نام رکھتے ہیں اور کچھ مصنف وہ' اس اور ان وغیرہ سے کہانی بیان کرتے ہیں' وہاں میں نے مجھ "ہم" میں سے۔۔"

"بجا فرمایا! بعینہ یہی سادگی اور خوش فہمی آپ کے کرداروں میں بھی موجود ہے۔ آپ کے کیریکٹر سب لوگوں کو اپنی طرح سیدھے سادے اور حلیم سمجھتے ہیں حالانکہ جارج برنرڈشا فرما چکے ہیں کہ۔۔ "انتہائی شریف ہونا انسان کے لیے بے حد خطرناک ہو سکتا ہے۔" دور جدید اور اس کے ہنگاموں کے تقاضے کچھ اور ہیں۔ غالباً آپ کے کردار نہیں جانتے کہ پرامن' خاموش اور ساکن ماحول ہی میں کچھ لوگ ایک دوسرے سے اچھی طرح پیش آسکتے ہیں لیکن جہاں مقابلہ ہو وہاں افراتفری اور نفسانفسی کا عالم ہوتا ہے۔ کوئی کسی کو نہیں پوچھتا۔ ہر ایک دھکے دیتا ہوا زبردستی آگے نکلنا چاہتا ہے۔ کسی بڑے شہر

میں پیدل چل کر یا کسی شاہراہ پر موٹر چلا کر ملاحظہ فرمائیے۔ دوسرے ڈرائیوروں' خصوصاً ٹرک اور ویگن چلانے والوں کا رویہ دیکھ کر آپ کی یہ غلط فہمی دور ہو جائے گی اور کسی ٹکٹ گھر کی کھڑکی کے سامنے کا نظارہ دیکھ کر بھی۔ اسی طرح آپ کے بھوت ایک دوسرے سے نبردآزما ہونے کی بجائے ہر وقت انسانوں میں الجھے رہتے ہیں کیونکہ انھیں چوبیس گھنٹے اور کوئی کام نہیں۔ اگر کبھی ان کے ذاتی مفاد کا تصادم ہو تو پھر ان کی یہ ساری سادگی اور خوش فہمی فوراً دھوئیں کی طرح اڑ جائے گی۔ اور یہ ابھی کیا فرمایا آپ نے؟ آپ کے اس بیان سے میں متفق نہیں ہوں۔"

"لیکن میں نے تو کچھ بھی نہیں کہا۔۔"

"آپ کی آواز تو آئی تھی۔۔"

"میں فقط کھانسا تھا۔۔"

"خیر' پھر اس کے علاوہ آپ کو سائنٹیفک انداز میں CAUSE اور EFFECT کا بھی خیال رکھنا چاہیے۔ توہمات کا زمانہ گزر چکا ہے۔ کیوں نا؟"

"پتہ نہیں آپ کیا فرما رہے ہیں۔۔ میں نے تو معمولی سی بھوتوں کی کہانیاں لکھی ہیں۔"

"تجاہل عارفانہ ملاحظہ ہو۔۔ یہ کون نہیں جانتا کہ بھوت محض ایک سمبل ہے۔ ایک مشہور مغربی مفکر نے کہا تھا کہ۔۔ "اگرچہ بھوتوں پر میرا اعتقاد نہیں' تاہم اگر وہ ڈرانے پر تل جائیں تو ڈر جاؤں گا"۔۔ چنانچہ انسان ہو یا بھوت' دونوں کی شخصیتیں زندگی کی رنگارنگی کی دلیل ہیں اور اسی مرکز کے گرد گھومتی ہیں۔ کیونکہ دونوں کی ماہیت ایک ہے۔ بھوتوں کو فقط وہ لوگ نہیں مانتے جن کی زندگی بھوتوں سے محروم ہے۔ کیا یہ صحیح نہیں؟ بتائیے۔۔"

"بتاؤں تو تب' جب آپ کے اتنے مشکل فقرے جنہیں کوئی منشی فاضل ہی سمجھ سکتا ہے۔۔"

"اخاہ! اس سے آپ کی شخصیت کا ایک اور اہم پہلو نمایاں ہوتا ہے۔ ایسے روزمرہ کے فقروں کو جو ہمارے ادبی رسائل اور ادبی انٹرویو کی زینت بنتے ہیں' مشکل کہہ کر آپ

دراصل یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ آپ کی طبیعت سادہ لوحی کی طرف مائل ہے۔"
"میں تو یہ کہوں گا کہ انسان اور بھوت بالکل جدا جدا۔۔"

"آپ نے کتنی عمدہ بات کی ہے۔ اگر بہ نظر عمیق دیکھا جائے تو بھوت انسان کی لاشعوری کیفیت کا دوسرا روپ ہے۔ بھوتوں کے متعلق لکھتے وقت مصنف کا روئے سخن در حقیقت انسانوں کی جانب ہوتا ہے۔۔ یعنی انسان میں چھپے ہوئے بھوت کی جانب۔۔ یا بھوت میں پوشیدہ انسان کی طرف۔۔ تبھی جن باتوں کا اظہار آپ خود نہیں کرنا چاہتے انہیں بھوتوں سے کہلواتے ہیں۔۔"
"وہ کونسی باتیں ہیں؟"
"مثلاً آپ کی ایک کہانی میں جہاں ایک لڑکا بھوت سے ڈر کر اندھے کنوئیں میں گر جاتا ہے لیکن کنواں خشک ہونے کی وجہ سے بچ جاتا ہے۔ وہاں دراصل آپ نے میونسپلٹی پر چوٹ کی ہے جو اتنا بھی نہیں کر سکتی کہ کنوئیں کے اردگرد کٹہرہ لگوادے یا کم از کم اٹے ہوئے کنوئیں کو کھدواکر صاف ہی کرادے۔"
"جناب یقین کیجئے' میں نے تو ایک معمولی سا واقعہ بیان کیا تھا۔ یہاں کسی پر چوٹ کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔۔"
"افوہ! تو آپ کی خود اعتمادی پر بھی بڑی آسانی سے شبہ کیا جا سکتا ہے ورنہ آپ۔۔ یقین کیجئے۔۔ فقط۔۔ دراصل۔۔ وغیرہ کا سہارا نہ ڈھونڈتے۔ یہاں آپ کا ایک اور افسانہ یاد آگیا جس میں دو حضرات کے نام بالکل متضاد ہیں۔ ایک کا نام نذیر ہے اور دوسرے کا بے نظیر۔ شاید آپ یہ کہیں کہ ان کے ہجے مختلف ہیں۔ ایک میں ذ ہے اور دوسرے میں ظ۔ بہرحال یہاں آپ نے معاشرے پر چوٹ کی ہے کہ جس میں ایک نام کا EFFECT دوسرے کو NEUTRALISE کرتا ہے اور ساتھ ساتھ سماج۔۔" SOUND
"لیکن یہ تو اپنی طرف سے خواہ مخواہ۔۔"
"بجا فرمایا۔ اور جہاں اپ نے اپنے مشہور ناول کے صفحے پر لکھا ہے کہ۔۔ "اس از حد پر اسرار ماحول میں میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ دل بے تحاشا دھڑکنے لگا۔ گردن

کی رگیں پھول گئیں۔ نتھنے پھڑکنے لگے۔ ہونٹوں پر جھاگ آگیا۔ ماتھے پر پسینے کے قطرے ابھر آئے اور عضو عضو کانپنے لگا۔ میں نے مٹھیاں بھینچ کر آسمان کی طرف بازو اٹھایا اور پورا منہ کھول کر دلدوز چیخ ماری'۔۔ تو یہاں آپ نے کلاسیکی موسیقی پر طنز کی ہے۔ واقعی گویے کی بالکل ایسی ہی حالت ہو جاتی ہے۔"

"میں قسم کھانے کو تیار ہوں کہ اس عبارت کا کلاسیقی موسیقی سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ یہ تو محض۔۔"

"صحیح فرمایا۔ تو گویا آپ مانتے ہیں کہ اس موضوع میں بلا کی لچک ہے اور بھوتوں کی آڑ لے کر بہت کچھ کہا جا سکتا ہے۔ لیکن آپ کے کردار اس حقیقت سے نا آشنا کیوں ہیں؟ کتنی عجیب بات ہے کہ آپ کی ساری کتابوں میں ایک بھوت بھی ایسا نہیں جو ترقی پسند ہو' یا REACTIONARY یا کم از کم NON-SONFORMIST ہی ہو۔ کبھی کبھی شبہ ہونے لگتا ہے کہ آپ کے سب کردار ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں۔ وہ عقلمند نہیں ہیں لیکن انہیں بے وقوف بھی نہیں کہا جا سکتا۔ انہوں نے کبھی اچھے دن ضرور دیکھے ہوں گے لیکن ان سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا۔ اور یہ کردار اتنے کم گو ہیں کہ گمان ہوتا ہے جیسے مصنف نے ان کے ہونٹوں کو قفل لگا کر چابیاں کسی دریا میں پھینک دی ہیں۔"

"مگر آپ میری بات تو سنتے ہی نہیں۔۔"

"آپ نے میرے منہ کی بات چھین لی۔ سب جانتے ہیں کہ دور جدید کے مفکروں کے نظریات نے احساس و فکر انداز کو یکسر بدل دیا ہے۔ ان دنوں جب کہ۔۔ SURREALISM اور IMPRESSIONISM اور EXISTENTIALISM وغیرہ گھریلو الفاظ بن چکے ہیں' آپ کی تحریروں پر بھی نکھار آنا چاہیے۔ کاش کہ آپ پرانے الف لیلوی بھوتوں اور ماڈرن بھوتوں کے بے شمار مسائل کا تجزیہ کریں۔ نیز اس سمبل کو مشرقی اور مغربی کلچر کے باہمی موازنے کے لئے استعمال میں لائیں تاکہ مغرب کی ترقی کا اصل راز معلوم ہو

سکے۔ اور یہ تبھی ممکن ہو گا جب آپ کے بھوت زندگی اور اس کے پیچیدہ مسائل کو سنجیدگی سے دیکھنے لگیں گے۔ میری دلی خواہش ہے کہ آئندہ آپ اپنے بھوتوں کو MOTIVATE کریں۔"

"لاحول ولا۔۔ حد ہو گئی۔۔ آپ تو بالکل ۔۔"

جی ہاں۔ تو گویا آپ متفق ہیں کہ صحیح MOTIVATION سے سب کچھ درست ہو سکتا ہے اور اس کے لئے آپ پوری کوشش کریں گے۔ غول بیابانی صاحب۔۔ میرا مطلب ہے غ۔ بیابانی صاحب! مجھے بڑی خوشی ہوئی کہ آج آپ نے اپنی تخلیقات کے متعلق اتنی واضح، بصیرت افروز، بھرپور، اس قدر گمبھیر، جامع اور گنجلک باتیں کیں۔۔"

"اس قدر کیا باتیں۔۔؟"

"خوب! تو آپ سے انٹرویو اس درجہ مکمل رہا کہ میں دوبارہ آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ خدا حافظ۔"

○ ○ ○

- ## استفسارات و جوابات

رسالے کے اجرا کو تھوڑا ہی عرصہ گزرا ہو گا کہ پڑھنے والوں کی طرف سے ایڈیٹر کے نام طرح طرح کے سوالات موصول ہونے لگے۔ ان ہی دنوں ہم رسالے کی فروخت بڑھانے کے متعلق سوچ رہے تھے کہ جب تک سوالات و جوابات کا کالم نہ ہو۔ فلمی سیکشن یا انعامی معمے نہ ہوں' پرچہ زیادہ نہیں بکتا۔ چنانچہ ہمیں استفسارات و جوابات کا سلسلہ شروع کرنا پڑا۔

یہ بڑا مشکل کام تھا۔ کسی سوال کے لئے حکیموں سے مشورہ لینا پڑتا تو کسی کے لئے لٹریچر کے پروفیسروں سے۔ تیسرے سوال کا جواب کوئی درزی ہی دے سکتا تھا تو چوتھے کا ماہر نفسیات' پانچویں کا شاعر' چھٹے کا مورخ' ساتویں کا باورچی' آٹھویں کا کوئی ماڈرن خاتون وغیرہ وغیرہ۔ بہرحال کیسا ہی سوال پوچھا گیا ہم نے کسی نہ کسی طرح اس کا موزوں ترین جواب بہم پہنچایا۔ نیز اس سلسلے میں جو خط و کتابت ہوتی تھی وہ بھی صیغہ راز میں رکھی گئی۔ فقط سوال پوچھنے والے کا نام اور پورا پتہ شائع کر دیا جاتا۔

پھر پتہ نہیں کیوں آہستہ آہستہ سب کا جوش و خروش کم ہونے لگا۔ چند ہی مہینوں میں سوال آنے بند ہو گئے اور ہمیں خود سوال گھڑنے پڑے۔ آخر مجبوراً وہ کالم بند کرنا پڑا۔ لیکن ہم اس کی وجہ نہیں سمجھ سکے۔ یہ تو ناممکن ہے کہ فقط تین چار مہینوں میں رسالے کے خریدار خود بخود اتنے سمجھدار ہو گئے کہ انہیں کسی مشورے کی ضرورت نہیں رہی۔

پرانے شماروں کی ورق گردانی کرتے وقت ہمیں خیال آیا کہ استفسارات و جوابات کا کچھ حصہ پڑھنے والوں کی یاد دہانی کے لئے دوبارہ پیش کیا جائے تو شاید ان پر خاطر خواہ اثر ہو اور یہ مفید سلسلہ پھر جاری ہو سکے۔

سوال: امید ہے کہ آپ میرا نام پڑھتے ہی پہچان گئے ہوں گے کہ میں وہی جانی پہچانی

ریڈیو آرٹسٹ ہوں۔

ہوا یہ کچھ عرصے سے میرا گلا خراب رہنے لگا تھا۔ حلق میں کبھی خشکی سی ہو جاتی' تو کبھی گدگدیاں سی ہونے لگتیں۔ گلے کے ایک سپیشلسٹ' جو میرے مداح ہیں اور میرا گانا بڑے شوق سے سنتے ہیں' ان کی ضد پر ٹانسل نکلوانے پڑے۔ جس سے گلا تو کچھ ٹھیک ہو گیا اور صحت بھی اب بہتر ہے۔ ماشاء اللہ وزن میں پچیس تیس سیر کا اضافہ ہوا ہے۔ لیکن جب پکے راگ گاتی ہوں تو وہ بات نہیں بنتی۔

مثال کے طور پر جب راگ ہنڈول کا انترہ اٹھاتی ہوں تو سننے والوں کو کبھی کھرج کا گمان ہوتا ہے تو کبھی تلنگ کا۔ اور جب استائی پر آتی ہوں تو کچھ کچھ درگا کا وہم ہوتا ہے۔ ایک شام کو بھاگیشری چلنتر میں بالکل ایکن لگ رہی تھی۔ آپ تو جانتے ہی ہیں کہ ان سب میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ اچھے بھلے ٹانسل نکلوانے سے جو میرے کیریر پر اثر پڑ رہا ہے اس کے لئے اب مجھے کیا کرنا چاہیے؟

جواب: ان حالات میں ہم اس کے سوا کیا مشورہ دے سکتے ہیں کہ آپ اپنے مداح سپیشلسٹ سے کہیں کہ وہ ٹانسل۔۔ یا کوئی اور چیز۔۔ آپ کے گلے میں فٹ کر دیں۔

سوال: میرے ایک سیلانی دوست کو پرندوں سے اتنی دلچسپی ہے کہ اس نے ولایت سے ایک نہایت قیمتی دوربین منگوائی ہے کہ پرندوں کی خرمستیاں دور سے دیکھ سکے۔ کیونکہ جب کبھی یہ ان کے قریب جاتا ہے تو وہ اس کا چہرہ دیکھتے ہی اڑ جاتے ہیں (اس میں پرندوں کا قطعاً قصور نہیں) لیکن مجھے تو ان چوپایوں سے لگاؤ ہے جو اخباروں' پوسٹروں اور ریڈیو کی خبروں کے مطابق معدوم ہوتے جا رہے ہیں۔ بار بار التجا کی جاتی ہے کہ انہیں بچایئے ورنہ وہ بہت جلد ختم ہو جائیں گے۔

کلب میں میرے ایک شکاری دوست نے بتایا کہ اس نے جنگل میں ایک چیتا دیکھا جو کچھ کچھ ہرے رنگ کا تھا۔ اس پر دوسرا شکاری بولا کہ وہ ریگستان میں ایک نیلے رنگ کے بھیڑیئے کو دیکھ چکا ہے۔ تیسرے نے پہاڑ پر ایک ٹیکنی کلر بارہ سنگے کی اوٹ پٹانگ

حرکتوں کو ذکر کیا جس سے وہ (یعنی میرا دوست) کافی محظوظ ہوا۔
ایسے رنگ برنگے نایاب چوپائے دیکھنے کو بہت جی چاہتا ہے۔
کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ یہ کہاں ملیں گے؟

جواب: عجب اتفاق ہے کہ چند ہفتے ہوئے ہمارا ایک شکاری دوست اپنے شکار کے دورے سے واپس آیا تو کلب میں اس نے بتایا کہ جنگل' صحرا اور پہاڑ کے بالکل یہی تینوں چوپائے ایک جگہ اس نے اکٹھے بیٹھے ہوئے دیکھے۔ اس کی آہٹ پا کر وہ اٹھ کھڑے ہوئے اور شمال کی جانب چل دیئے۔ غالباً وہ اکٹھے سفر کر رہے ہوں گے۔
دوست کے پاس بھری ہوئی رائفل تھی لیکن تحفظ حیوانات کے سلسلے میں انہیں کچھ نہ کہا۔ اور آپ یہ معلوم کر کے خوش ہوں گے کہ سرحد وہاں سے خاصی دور تھی۔

سوال: میں کافی عرصے سے اردو شاعری پر ریسرچ کر رہا ہوں۔ بڑی عرق ریزی کے بعد میرا مقالہ مکمل ہونے والا ہے۔ فقط ایک معمولی سی بات آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں۔ وہ یہ کہ مجھے کچھ شبہ سا ہو گیا ہے کہ میر حسن' میرتقی اور امیر مینائی رشتہ دار تھے۔

جواب: کس کے؟

سوال: میں نے فن زندگی پر چند کتابیں پڑھیں جو بے حد پسند آئیں۔ ان میں چست رہنے اور مسکرانے کی خاص طور پر تلقین کی گئی ہے۔ چنانچہ میں نے پھرتیلا بننے کی کوشش کی اور معمول بنا لیا کہ چہرے پر مسکراہٹ رہے۔ اس سے بڑا فائدہ ہوا اور میں ہر وقت مسرور رہنے لگا۔ لیکن نہ جانے کیوں دوسروں پر خاطر خواہ اثر نہیں ہوا۔ بلکہ اب تو یہ حال ہے کہ جہاں جاتا ہوں لوگ مشتبہ نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ جیسے مجھ سے چڑے ہوئے ہوں۔ چند ایک تو صاف صاف پوچھ چکے ہیں کہ بات کیا ہے؟ یا تو مجھے مسکرانا نہیں آتا یا میں نے غلط کتابیں پڑھ لیں۔ آپ کی کیا رائے ہے؟

جواب: نہ آپ کی مسکراہٹ میں نقص ہے نہ ان کتابوں میں۔ کاش کہ آپ نے پہلے پوچھ لیا ہوتا تو ہم خبردار کر دیتے کہ ہمارے ہاں خوش رہنے کا رواج نہیں ہے۔ ہمارا

مشورہ تو یہ ہے کہ آپ دل ہی دل میں مسرور ہو لیا کریں لیکن باقاعدہ مسکرایا نہ کریں۔

اسی سلسلے میں ایک اور صاحب بھی ہم سے شکایت کر چکے ہیں کہ نئے دوست بنانے

اور ہر دلعزیز بننے کے سلسلے میں انہوں نے فن زندگی پر مشہور کتابیں پڑھیں۔ جب ہدایات پر عمل کیا تو جو رہے سہے چند دوست تھے' وہ بھی آہستہ آہستہ کنارہ کش ہو گئے۔

یہ مغربی کتابیں اغیار کے لئے لکھی گئی ہیں' ہمارے لئے نہیں۔

سوال: پڑوس سے رات بھر کھانسنے کی آواز آتی ہے جس سے سونا محال ہو جاتا ہے۔ بار بار جھانک کر دیکھتا ہوں (بعض اوقات ٹارچ کی مدد سے) کہ ایسی بھیانک اور کرخت کھانسی کس کی ہو سکتی ہے؟ لیکن نیچے احاطے میں فقط اونٹ اور بیل بندھے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔

پڑوسی غصیل اور بے مروت سے لوگ ہیں اس لئے ان سے پوچھنے کو جی نہیں چاہتا۔ متواتر جھانک جھانک کر اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ رات کو وہ بیل اور اونٹ ہی کھانستے ہوں گے۔ آپ کا کیا خیال ہے؟

جواب: اونٹ اور بیل کیونکر کھانس سکتے ہیں جبکہ وہ نہ سگریٹ پیتے ہیں نہ حقہ۔

سوال: میں لٹریچر کی طالبہ ہوں۔ تقریباً انیس سال عمر ہے۔ اور مجھے تھامس ہارڈی' ترجنیف اور کپلنگ کی مسحور کن اور دلکش تحریروں سے اس قدر الفت ہے کہ بیان نہیں کر سکتی۔ کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ کہیں یہ حضرات شادی شدہ تو نہیں؟

جواب: یہ حضرات شادی شدہ ہی نہیں بلکہ ان کا انتقال بھی ہو چکا ہے۔

سوال: اتفاق سے میں کافی بھاری بھر کم ہوں۔ ورزش اور DIETING کے علاوہ جنہیں میں غیر فطری حرکتیں سمجھتا ہوں' بتیرے جتن کئے لیکن کوئی فرق نہیں پڑا۔ ابھی ابھی کسی نے بتایا ہے کہ مالش کرانے سے وزن کم ہو جاتا ہے۔ کیا یہ صحیح ہے؟

جواب: بالکل صحیح ہے۔ اس سے واقعی وزن کم ہو جاتا ہے۔ مالش کرنے والے کا۔

سوال: میرے خیال میں مغربی لباس کا سب سے تکلیف دہ جزو ٹائی ہے۔ یہ قطعاً فضول

معلوم ہوتی ہے۔ ادھر ہم ہیں کہ سب کے سب ٹائی کے شوقین ہیں۔ ایسا کیوں ہے؟
کیا آپ ٹائی کا ایک بھی فائدہ گنوا سکتے ہیں؟

جواب: ٹائی کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ اسے اتارتے وقت بڑی فرحت محسوس ہوتی ہے۔

سوال: میری شادی کو چھ برس ہو چکے ہیں۔ ویسے سب خیریت ہے لیکن رشتہ داروں پر اب تک بحث ہوتی رہی ہے۔ بیوی بار بار یہی گلہ کرتی ہے کہ آپ اپنے عزیزوں کو میرے رشتہ داروں پر ترجیح دیتے ہیں۔ حالانکہ یہی شکایت مجھے بیوی سے رہتی ہے۔
زیادہ دنگا فساد ایک دوسرے کی ساس پر ہوتا ہے۔ بتایئے کہ کیا کیا جائے؟

جواب: اگر آپ بیگم کو یقین دلا دیں کہ اپنی ساس کے مقابلے میں آپ کو ان کی ساس زیادہ عزیز ہے تو پھر انہیں کوئی گلہ نہیں رہے گا۔

سوال: میں فلسفہ عدم تشدد (یعنی اہنسا) کا قائل ہوں اور دوسروں کی زیادتیاں برداشت کرنے کی ہمیشہ کوشش کرتا ہوں۔ مدتوں میں نے اس اصول پر عمل کیا ہے کہ اگر کوئی تھپڑ مارے تو دوسرا گال بھی سامنے کر دو۔ لیکن کبھی کبھی عجیب عجیب خیالات آنے لگتے ہیں۔ یہی کہ دوسرے اس پر عمل کیوں نہیں کرتے؟ اور پھر دنیا میں زیادتیاں کرنے والوں کی تعداد کتنی زیادہ ہے؟

جواب: غالباً آپ اس فلسفے کو اچھی طرح سمجھ نہیں سکے۔ اس پر دوبارہ غور کیجئے۔ ہدایات پہلے دو تھپڑوں تک محدود ہیں۔ لٰہذا دونوں گالوں پر ایک ایک تھپڑ برداشت کر چکنے کے بعد تیسرا، چوتھا، پانچواں، چھٹا اور باقی ماندہ سارے تھپڑ آپ کی طرف سے لگنے چاہئیں۔
اس کی اچھی طرح سے پٹائی کیجئے۔

سوال: مندرجہ ذیل آزاد نظم کو سمجھنے کی بہتیری کوشش کرتا ہوں لیکن کچھ پلے نہیں پڑتا۔
حالانکہ یہ سال رواں کی بہترین نظموں میں شمار کی جاتی ہے۔ کیا آپ اس کے معنی سمجھا سکتے ہیں؟

○ ایک سوال

بے کراں رات کے سناٹے میں
آتشیں سائے، لہو کے دریا
صدیوں پہلے کے کسی ناگ کی پھنکار کی گونج
چیختے دھاڑتے لاوے کی تپش

تیرہ و تاریں جھلسی ہوئی گمنام حیات
زیرو بم ہے کسی مدقوق کی سانسوں کا تمناؤں کا
شاخ بے برگ کی لرزش کسی طوفاں کی خبر دیتی ہے
واہمہ ہے یا حقیقت یا گراں باری خواب
یہ ہیولے ہیں کہ عفریت کہ فرسودہ نظام
یہ کہیں میں تو نہیں؟

جواب: ہمارے خیال میں اگر اس لافانی نظم کو اس طرح پڑھیں تو شاید سمجھ میں آ جائے۔

○ ایک سوال

یہ کہیں میں تو نہیں؟
یہ ہیولے ہیں کہ عفریت کہ فرسودہ نظام
واہمہ ہے یا حقیقت یا گراں باری خواب
شاخ بے برگ کی لرزش کسی طوفاں کی خبر دیتی ہے
زیروبم ہے کسی مدقوق کی سانسوں کا تمناؤں کا
تیرہ و تاریں جھلسی ہوئی گمنام حیات
چیختے دھاڑتے لاوے کی تپش

صدیوں پہلے کے کسی ناگ کی پھنکار کی گونج
آتشیں سائے، لہو کے دریا
بے کراں رات کے سناٹے میں

سوال: جب سے جرنلزم پڑھنا شروع کیا ہے نہایت مفید اور انوکھی باتیں سوجھنے لگی ہیں۔ کئی تو ایسی ہوتی ہیں جن کا جواب میرے پروفیسر بھی نہیں دے سکتے۔ مثال کے طور پر چند نمونے ارسال ہیں۔ کیا آپ ان کی وضاحت کر سکتے ہیں؟

سسرال والوں کو کیوں IN-LAWS کہا جاتا ہے، جبکہ در حقیقت وہ OUT-LAWS ہوتے ہیں۔

مریضوں کے لئے لفظ PATIENT کیوں استعمال کیا جاتا ہے جبکہ وہ ہر وقت IMPATIENT رہتے ہیں۔

MITERIC سسٹم نے فرلانگ اور میلوں کو کلومیٹر میں تبدیل کر دیا، من اور سیروں کو کلوگرام میں۔ اسی طرح کپڑا یا پٹرول خریدتے وقت بھی میٹر اور LITRE سننے پڑتے ہیں۔ بھلا وقت نے کیا قصور کیا ہے جو اب تک سو سیکنڈوں کا ایک منٹ نہیں بن سکا۔ سو منٹوں کا یک گھنٹہ، سو گھنٹوں کا ایک دن اور سو دنوں کا ایک مہینہ نہیں ہوا۔ اور سو مہینے کا ایک برس۔ جبکہ صدی تو پہلے ہی سے سو سال کی ہے۔

جواب: ہم نے قارئین سے کتنی مرتبہ کہا ہے کہ سوال پوچھتے وقت عبارت خوش خط لکھا کریں، صاف کاغذ استعمال کریں۔ کاغذ کے فقط ایک طرف لکھیں اور حاشیہ چھوڑنا نہ بھولیں۔

سوال: میں نے ایک طوطا پال رکھا ہے جسے غور و خوض کی عادت ہے۔ بعض اوقات تو وہ کئی کئی گھنٹے سوچتا رہتا ہے۔ دوسرے طوطوں کی طرح نہ وہ باتونی ہے اور نہ طوطا چشم۔ لیکن پرسوں سے وہ بالکل چپ چاپ لیٹا ہوا ہے۔ نہ بولتا ہے نہ بلانے پر جواب دیتا ہے۔ میرے خیال میں طوطا کسی مسئلے پر غور کر رہا ہے۔ گھبرانے کی تو کوئی بات نہیں؟

جواب: غالباً آپ کا طوطا مراقبے میں ہے اور اگر مراقبے میں نہیں ہے تو پھر اس کا مکمل طور پر انتقال ہو چکا ہے۔

سوال: نظم اور غزل میں کیا فرق ہے؟

جواب: نظم میں شاعر کسی چھوٹی سی بات کو بڑھا کر بیان کرتا ہے -------- یا بڑی ساری بات کو مختصر کر دیتا ہے۔ مگر اس طرح کہ روئے سخن ایک طرف ہی رہتا ہے اور موضوع نہیں بدلتا۔ لیکن غزل کے ہر شعر کا موضوع جدا ہوتا ہے۔ مثلاً پہلے شعر میں خدا کی تعریف ہے تو دوسرے میں محبوب کی بے وفائی کا گلہ۔ تیسرے میں انتقال ہو چکنے کے بعد کے تاثرات کی ترجمانی ہے۔ چوتھے میں موسم کے یکلخت خوشگوار ہو جانے پر مے خانے کی حاضری کا ذکر۔ پانچویں میں اپنی حالت کا رونا اور دنیا کے نظام میں فوری تبدیلی کی خواہش' چھٹے میں محبوب نمبر دو کی وفاداری کی خوشخبری۔ اور آخر میں تخلص اور اپنی شاعرانہ عظمتوں کا اعتراف۔

سمجھ لیجئے کہ نظم کا مطالعہ کسی جواب مضمون پڑھنے کے برابر ہے اور غزل پڑھنا ایسا ہے جیسے اخبار کھول کر خبریں دیکھنا۔

سوال: ان دنوں فلسفے' تحت الشعور اور نفسیات وغیرہ کا بڑا زور ہے۔ بہت ڈر لگتا ہے کہ کہیں بیٹھے بٹھائے کچھ ہو نہ جائے۔ کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ ماہر نفسیات کے پاس جائے بغیر یہ کیسے معلوم ہو سکتا ہے کہ انسان کا دماغ ٹھیک ہے یا نہیں؟

جواب: اگر انسان کو خود اپنی دماغی حالت پر کبھی کبھی شبہ ہو جاتا ہو تو سمجھ لینا چاہیے۔ کہ دماغ نارمل ہے۔ لیکن اگر اسے دوستوں' واقف کاروں اور اجنبیوں کی دماغی حالت پر مستقل طور پر شبہ رہنے لگے تو پھر لازمی طور پر خلل آ چکا ہے۔ جس کا علاج ماہرین نفسیات بھی نہیں کر سکتے۔

سوال: میرا خیال ہے کہ قدرت ایسی اشیائے مدرکہ سے مل کر بنی ہے جو ایک دوسرے کے کل میں جزو کی حیثیت سے شامل ہیں جہاں اضدادی اسلوب تفکر تمام اشیائے مدرکہ

کو سمجھنے کے لئے کیا گیا ہے' وہاں فلسفیانہ دقیقہ رسی' توازن اتصال اور اضدادی مادیت کو قوتیاتی نظریہ کا رتبہ حاصل ہے۔ کائنات کی حیات مادی ہی مقدم ہے۔ اس کی حیات روحانی ثانوی اور استخراجی ہے۔ اعصابی کیفیتیں اور ناآسودہ جبلتیں دراصل خارجی حقیقی چیزوں اور ان کے ارتقا کا عکس نہیں ہیں بلکہ خارجی چیزیں اور ان کا ارتقا حقیقت کی شکل میں اس تصور کا محض عکس ہیں جو وجود کائنات سے قبل تھا۔ مفکروں کے نزدیک کائنات اور جملہ نظامات ابدی اور استقراری ہیں اور خیال نفس ناطقہ پر عالم بالا کے ترشحات کا نتیجہ ہیں۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر کائنات کا ارتقاء تجویز اور تردید کے تصادم سے عبارت ہو گا تو پھر تدریجی وقفے کے بعد نقطہ تغیر کب ظہور پزیر ہو گا؟ وہ کون سی تردید ہو گی جو تجویز سے متصادم ہو کر نئی ترکیب کو وجود میں لائے گی؟

جواب: اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

سوال: میرا چھوٹا بھائی جو کہ بلا کا ذہین ہے' یوں تو بچپن ہی سے شرارتی اور گستاخ تھا' لیکن جب سے وہ عمر کے اس دور میں داخل ہوا ہے جسے انگریزی میں ADOLESECENCE کہا جاتا ہے تو اس کی شوخیوں میں اور اضافہ ہو گیا ہے۔

پچھلے دو سال سے وہ اس مضمون کی ٹریننگ لے رہا ہے جسے انگریزی میں PHONETICS کہتے ہیں' تا کہ کورس مکمل کر کے وہ بن سکے جو انگریزی میں LINGUIST کہلاتا ہے۔

لیکن پتہ نہیں کیوں لوگ اکثر اس سے کھیچے کھنچے سے رہتے ہیں۔

ہمارے چچا جان کے پلے ہوئے دوست خوجہ صاحب جب سرائے عالمگیر سے کبھی کبھی آ جاتے ہیں تو اس کو دیکھتے ہی ادھر ادھر ہو جاتے ہیں کیونکہ یہ بڑے ادب سے خواجہ سرا کہہ کر سلام کرتا ہے۔ اور جب کبھی ہمارے وہمی اور خشک مزاج مشتاق ماموں کا ذکر آجائے تو فوراً کہتا ہے۔

وہ ہے مشتاق اور ہم بیزار
یاالٰہی یہ ماجرا کیا ہے

ادھر ہمارا توند والا منیم لالہ حبیب جو تھل کے صحرائی علاقے میں بنیا نما دکان کا بھی مالک ہے' جب حساب دینے آتا ہے تو اس کا استقبال "منزل ہے کہاں تیری اے لالہ صحرائی" سے کرتا ہے۔

میری پیاری سہیلی رخشندہ جب سائیکل پر اپنے کالج جاتے ہوئے ہمارے مکان کے سامنے سے گزرتی ہے تو خاصی اونچی آواز میں یہ شعر پڑھتا ہے۔

رو میں ہے رخش عمر کہاں دیکھئے تھمے
نے ہاتھ باگ پر ہے نہ پا ہے رکاب میں

والد صاحب کے ایرانی دوست آقائے زنجانی لنچ پر تشریف لائے تو ان کے سامنے سے سلاد کے پتے اٹھا کر ہمارے پالتو خرگوش کے سامنے رکھ دیئے اور یہ مصرعہ پڑھا:

برگ سبز است تحفہ خرگوش

اس پر زنجانی صاحب باتیں کرتے کرتے خاموش ہو گئے۔
بڑے بہنوئی خورشید صاحب ہر دوسرے تیسرے ہفتے کانفرنس یا کسی دورے کا بہانا بنا کر یہاں آجاتے (کیونکہ بڑی آپا یہاں ہیں) فوراً اگلی صبح یہ ان کا سامان نوکروں سے بندھواتا ہے اور یہ مصرعہ بار بار دوہراتا ہے۔
اٹھ کہ خوشید کا سامان سفر تازہ کریں
ادھر ہمارے دور کے عزیز بٹ صاحب' جو بڑے خوش خوراک ہیں' ان سے کھانے کی میز پر مودبانہ عرض کیا کرتا ہے۔

نہ IF کیجئے اور نہ BUT کیجئے
جو مل جائے بس اس کو چٹ کیجئے

اور تو اور ہمارے محلے کے ہر دلعزیز حکیم جناب مسیح الزماں کا نام اس نے قبل از مسیح الزماں رکھا ہوا ہے۔ کیا کیا مثالیں دوں۔ اتوار کو چڑیا گھر میں مور کو ناچتے دیکھا تو خاموش ہو کر تالیاں بجائیں اور "ونس مور۔۔ ونس مور" کے نعرے لگائے۔
کبھی کبھی میری ساس کھانے پر آجاتی ہیں تو میز پر انہیں ٹماٹر کی ساس tomato sauce کی بوتل پیش کرتا ہے۔
ابھی کنوارا ہے۔ اس کے لئے تین لڑکیاں زیر غور ہیں۔۔ نسیم آرا' ذبیبہ خانم اور عالیہ۔
لیکن اس کا یہ حال ہے کہ اگر کبھی عالیہ کے گھر کے سامنے سے ہم گزر رہے ہوں تو یہ دوڑ کر زور زور سے کہتا ہے۔۔ "آلیا۔۔ آلیا۔۔تجھے آلیا۔۔"
ذبیبہ کا ذکر آئے تو ذبح کہہ کر پھر "ہا۔۔ ہا۔۔ ہا۔۔" کر کے ہنستا ہے اور تیسری کے نام پر چپکے سے نسیم کہہ کر بازو کو لکڑی کاٹنے کے آرے کی طرح چلانے لگتا ہے۔

یہ بتایئے کہ یہ سب کچھ PHONETICS جسے اردو میں غالباً صوتیات کہتے ہیں' کی ٹرننگ کا اثر ہے یا کوئی اور بات ہے؟ میں کچھ فکر مند سی رہنے لگی ہوں۔
جواب: آپ فکر کریں یا نہ کریں' ہمارے خیال میں آپ کا بھائی وہ بنتا جا رہا ہے جسے انگریزی میں DELINQUENT کہا جاتا ہے۔
سوال: مجھے یہ تین کہاوتیں بہت پسند ہیں۔
زر' زمین' زن' فساد کی جڑ ہیں۔
اصلی دوست وہ ہے جو ضرورت کے وقت کام آئے۔
دوسروں سے وہی سلوک کرو جس کی توقع تمہیں ان سے ہو سکتی ہو۔
یہی سوچتا رہتا ہوں کہ اگر سب لوگ ان پر عمل کرنے لگیں تو دنیا کتنی بہتر جگہ بن

سکتی ہے۔ آپ کی کیا رائے ہے؟

جواب: غالباً آپ نہیں جانتے کہ بدلتی ہوئی قدروں کے ساتھ پرانی کہاوتیں بھی بدل چکی ہیں۔ فی زمانہ انہیں یوں پڑھنا چاہیے۔

زر، زمین، زن کی کمی ہی فساد کی جڑ ہے۔

اصلی دوست وہ ہے جسے کوئی ضرورت نہ ہو۔

دوسروں کے ساتھ فوراً وہی سلوک کرو، پیشتر اس کے کہ وہ تم سے وہی سلوک کر سکیں۔

سوال: ہمارے پڑوس میں دھوبی گھاٹ ہے۔ دھوبیوں کا کتا دن بھر ہمارے گھر بیٹھا رہتا ہے۔ نکلتا ہی نہیں۔ بتائیے کیا کریں؟

جواب: غالباً بیچارہ کہاوت کے سلسلے میں آجاتا ہو گا۔ اسے کچھ نہ کہا کریں۔

سوال: داغ کا وہ مشہور شعر ملاحظہ ہو:

کونین جس کے ناز سے چکرا رہے ہیں داغ
میں ہوں نیاز مند اسی بے نیاز کا

اس سے ثابت ہوا کہ ملیریا کے لئے کنین داغ صاحب کے زمانے میں بھی استعمال ہوتی تھی اور تب بھی اس سے چکر آیا کرتے تھے۔ کتنی دلچسپ بات ہے؟

جواب: بہت!

سوال: میری خوشدامن کو بچوں کے سوئٹروں کے لئے خوشنما سے خرگوش، ہرن، شیر اور بطخ کے ڈیزائن درکار ہیں، ان کی خواہش ہے کہ آپ یہ ڈیزائن اپنے پرچے میں شائع کریں۔

جواب: آپ کی خوشدامن کسی روز چڑیا گھر تشریف لے جائیں تو ان کی خواہش وہیں پوری ہو سکتی ہے۔

سوال: میں کافی عرصے سے پی۔ ایچ۔ ڈی کے لئے کوشش کر رہی ہوں۔ ابھی تک کامیابی

تو نہیں ہوئی لیکن میرے بال جو کبھی گھنے اور لمبے تھے' لگاتار جھڑ رہے ہیں۔ خصوصاً خزاں کے موسم میں تو بہت زیادہ تعداد میں جھڑتے ہیں۔ کوئی علاج بتایئے۔

جواب: پی۔ ایچ۔ ڈی اور گھنے بال-- یہ دونوں چیزیں ہمیشہ متضاد رہی ہیں۔ یا تو آپ ان دونوں میں سے ایک چن لیں یا پھر بالوں میں کنگھی بالکل نہ کیا کریں۔ اس طرح آپ کو پتہ بھی نہ چل سکے گا کہ بال کس وقت جھڑ گئے اور کتنے تھے۔ رہ گیا خزاں اور جھڑاؤ کا معاملہ' سو وہ قدرتی ہے۔ اس میں کسی کو دخل نہیں۔

سوال: مجھے گدگدی بہت ہوتی ہے۔ بہتیرا ضبط کرتا ہوں' اپنے آپ کو سمجھاتا ہوں AUTO-SUGGESTION سے بھی کوئی فرق نہیں پڑا۔ بعض اوقات تو بڑی خفت اٹھانی پڑتی ہے۔ کوئی علاج بتایئے۔

جواب: گدگدی عموماً بچوں کو ہوا کرتی ہے۔ آفیشلی بالغ انسان کو اتنی گدگدی نہیں ہونی چاہیے۔ ہمارا یہ مشورہ ہے کہ آپ ایسے حالات پیدا نہ ہونے دیں جن میں گدگدی کئے جانے کا احتمال ہو۔ بہتر ہو گا کہ کسی ماہر نفسیات سے مل کر تجزیہ نفسی کرالیں۔ لیکن ماہر نفسیات کو زیادہ قریب نہ آنے دیں۔ ویسے آپ کو گدگدی کرتا کون ہے؟

سوال: پرانے زمانے میں لوگ بڑی لمبی عمریں پاتے تھے۔ نوے' سو برس تک زندہ رہنا عام بات تھی۔ درازی عمر کا تب اصل راز کیا تھا؟

جواب: پرانے زمانے میں ذرائع آمدورفت محدود ہونے کی وجہ سے بسوں کے حادثے نہیں ہوتے تھے۔ پرنٹنگ پریس کی عدم موجودگی کے طفیل نہ رسالے تھے اور نہ زندگی سے بیزار کر دینے والا ادب اور شاعری۔ اخبار بھی نہیں تھے' اس لئے عوام سنسنی خیز جھوٹی سچی سیاسی خبروں سے محفوظ رہا کرتے۔

سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ اس زمانے میں انکم ٹیکس شروع نہیں ہوا تھا۔

سوال: مجھے مغربی ممالک سے بڑی چڑ ہے۔ ان کی ہر بات سے مادہ پرستی ٹپکتی ہے۔ کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ روحانیت کو چھوڑ کر یہ اتنے مادہ پرست کیوں بن گئے ہیں؟
نیز مشکی رنگ کو سفید کرنے کے طریقے معلوم ہوں تو ضرور بتایئے۔

جواب: مغربی ممالک میں عورتوں کی تعداد مقابلتاً زیادہ ہے لہٰذا وہاں اتنی مادہ پرستی نہیں ہے جتنی کہ مشرق میں جہاں عورتیں کم ہیں اور مرد زیادہ۔

نیز مشکی رنگ میں کیا خرابی ہے؟ مشہور کہاوت۔۔ رنگ مشکی' نہ کھنگ نہ خشکی' کے علاوہ آپ نے یہ شعر بھی شاید سنا ہو۔

حسن کو چاہیے انداز و ادا ناز و نمک
کیا ہوا اگر ہوئے گوروں کی طرح گال سفید

سوال: آج تک میں یہی سمجھتا رہا کہ علامہ سقراط عرب کے حکیم تھے۔ لیکن ابھی کسی نے شبہ ڈال دیا ہے کہ یہ کسی اور ملک کے تھے اور ان کا اصلی نام ساکرے ٹیز تھا۔
اگر یہ صحیح ہے تو بابائے طب بقراط کا اصلی نام کیا تھا؟

جواب: باکرے ٹیز۔

سوال: تزک بابری کو پڑھ کر کچھ مایوسی سی ہوئی۔ کتاب میں جگہ جگہ ہندوستان کی برائیاں لکھی ہیں۔ بابر غیر ملکی تھا۔ ایک اجنبی کی یہ تنقید بہت ناگوار معلوم ہوئی۔ آپ کا کیا خیال ہے؟
نیز میں یہ نہیں سمجھ سکتا کہ ہندوستان پر اتنے حملے کیوں کئے گئے جبکہ ہندوستانی شروع ہی سے عدم تشدد کے قائل رہے ہیں؟

جواب: واقعی بابر کو ایسی تلخ باتیں نہیں لکھنی چاہیے تھیں۔ خصوصاً جبکہ اہل ہند کا ریکارڈ رہا ہے کہ۔۔
انھوں نے کسی ملک پر حملہ نہیں کیا۔
ایک بھی ہندوستانی سیاح کہیں باہر نہیں گیا۔
اہل ہند نے کبھی سمندری بیڑے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔

کبھی ہند کی سرحد پر حملہ آوروں کا مقابلہ نہیں کیا گیا۔
اہل ہند نے نہ کبھی کچھ دریافت کیا' نہ کچھ ایجاد کیا۔ بلکہ دوسروں کی اچھی بھلی

ایجادات کا ناس مار کر رکھ دیا۔
رہ گیا دوسرے ملکوں کا رویہ۔۔ سو اگر باہر کے لوگ ہندوستان پر بار بار حملہ نہ کرتے تو "تاریخ ہند" کیونکر مرتب ہوتی۔ مغرب سے جو حضرات آئے وہ فقط ہندوستان تک پہنچنے کا چھوٹے سے چھوٹا راستہ دریافت کرنے کے خواہش مند تھے یا گرم مصالحوں کی تلاش میں تھے۔ کم از کم پرانی تحریروں سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں سارے یورپ کا گزارہ ہند کے گرم مصالحوں پر تھا۔
ہو سکتا ہے کہ دوسرے ملک اپنی تاریخ مرتب کرنے کے سلسلے میں ہند پر حملے کرتے رہے ہوں۔ بہر حال آپ بابر کی تنقید کو کوئی PERSONAL رنگ نہ دیں۔
سوال: مجھے جس لڑکی سے محبت ہے وہ حسین ہونے کے علاوہ انٹلکچوئل بھی ہے۔ میں سائنس دان ہوں' اس لئے علم و ادب میں دلچسپی رکھنے کی قطعاً فرصت نہیں۔ ابھی تک پیغام نہیں بھجوایا کیونکہ میرے خیال میں وہ ولی دکنی' ہربرٹ سپنسر' ابو نواس اور بھر تری ہری کی جانب مائل ہے۔ جب کبھی اس سے ملتا ہوں یہی نام سننے میں آتے ہیں۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں۔ آپ کے مشورے کا منتظر ہوں۔
جواب: ہمارے خیال میں آپ کو فوراً پیغام بھیجنا چاہیے۔ اتنے حضرات کی موجودگی میں ذرا سی دیر بھی خطرناک ثابت ہو سکتی ہے۔
سوال: جمشید بھائی جو دور کے کزن بھی ہیں' ہر سہ پہر کو ہمارے ہاں آجاتے ہیں اور نو دس بجے سے پہلے واپس نہیں جاتے۔ لو چلے' آندھی آئے' بارش ہو' وہ بلاناغہ ساری شام ہمارے ہاں گزارتے ہیں۔ لیکن ابھی تک انہوں نے پیغام نہیں بھجویا۔ اکثر سوچتی رہتی ہوں کہ آخر ان کا ارادہ کیا ہے؟
جواب: ہو سکتا ہے کہ انہیں محبت ہو گئی ہو۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دوپہر کے بعد جمشید بھائی کو کوئی اور کام نہ ہوتا ہو اور محض بیکاری کی وجہ سے آجاتے ہوں۔

ویسے شام عموماً سات ساڑھے سات بجے ختم ہو جاتی ہے۔ رات کے نو دس بجے تک نہیں چلتی۔

سوال: پچھلے مہینے میں نے ایک چھوٹا سا السیشن کتا خریدا تھا۔ اس وقت تو اس کے نوکیلے کان بالکل صحیح پوزیشن میں تھے۔ پھر پتہ نہیں کیا ہوا کہ آہستہ آہستہ ملائم ہو کر مڑنے لگے۔ اب تو تقریباً نصف کے قریب مڑ چکے ہیں۔ بہت پریشان ہوں۔
بڑی مشکل سے یہ عمدہ کتا ملا تھا۔ بتایئے کیا کروں؟

جواب: غالباً آپ کتوں کی نفسیات سے واقف نہیں ہیں۔ جتنا آپ اس کے کانوں کی طرف دیکھیں گے اتنا ہی اسے احساس کمتری ہو گا اور کان جھکیں گے۔
یہ کیجئے کہ گتے یا لکڑی کے دو چھوٹے تختے لگا کر سیدھے کر دیجئے' اوپر پٹی باندھ دیجئے اور خود دس پندرہ روز کے لئے کہیں باہر چلے جایئے' یا کتے کو کہیں بھجوا دیجئے۔ دو ہفتے کے بعد پٹی کھولئے۔ اگر کان کھڑے نہیں ہوئے تو پھر یہ السیشن نہیں کچھ اور چیز ہے۔

سوال: میرے سر میں ایک سفید سا برادہ (جسے شاید بفا کہتے ہیں) بڑھتا جا رہا ہے۔ کنگھا کرتے وقت چھوٹے چھوٹے ذرے نیچے گرتے ہیں۔ پتہ نہیں یہ کیوں ہو جاتا ہے اور اس کا علاج کیا ہے؟

جواب: ہمارے سر میں بھی بالکل یہی چیز بڑھتی جا رہی ہے۔ کاش کہ قارئین میں سے کوئی اس پر روشنی ڈال کر ہم دونوں کو ممنون فرمائیں۔

سوال: ان اشعار کا کیا مطلب ہے؟

لیا جس نے مجھ سے عداوت کا پنجا
سنلقی علیہم عذاباً ثقیلا
نکل اس کی زلفوں کے کوچے سے اے دل
تو پڑھنا قم اللیل الا قلیلا

جواب: ان کا مطلب یہ ہے کہ شاعر کو عربی بھی آتی ہے۔
سوال: میرے خاوند دفتر سے آتے ہی فائیلوں' کلرکوں' آفیشل خطوں اور پالیسیوں کا ذکر شروع کر دیتے ہیں۔ ساری شام بلکہ رات گئے تک یہی ذکر چلتا رہتا ہے۔ تعجب ہوتا ہے کہ کیا دفتر میں انہیں اس موضوع پر گفتگو کرنے کا موقع نہیں ملتا؟

جواب: دفتر میں لوگ بیوی' بچوں' بزرگوں' خانگی حالات اور بازار کے بھاؤ کا ذکر کیا کرتے ہیں۔
سوال: ہمارا گھوڑا علیل ہے لیکن دوائی کھانے سے انکار کرتا ہے۔ سفوف پانی میں گھول کر یا دانے میں ملا کر سامنے رکھتے ہیں تو سونگھ کر چھوڑ دیتا ہے۔ زبردستی اس کے منہ میں ڈالنے کی کوشش کریں تو کاٹتا ہے۔ گھوڑا ڈاکٹر صاحب سفوف کا نسخہ تجویز کرنے کے بعد بالکل سبکدوش ہو چکے ہیں۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کیا جائے؟
جواب: یہ تو بہت آسان ہے۔ بانس کا کھوکھلا ٹکڑا لے کر اس میں گھوڑا ڈاکٹر صاحب والا سفوف ڈالیں۔ بانس کا ایک سرا گھوڑے کے منہ میں دے کر دوسرے سرے سے پھونک ماریں۔ دوائی فوراً اس کے حلق مین ہو گی لیکن ذرا جلدی کریں۔ اگر آپ کے ذہین گھوڑے نے' جس کا I.Q کافی HIGH معلوم ہوتا ہے' آپ سے پہلے پھونک مار دی تو دوائی آپ کے حلق میں ہو گی۔
سوال: میں دانشور ہوں اس لئے مجھے لگاتار غور و خوض کرنا پڑتا ہے۔ ہر وقت متفرق مسائل کے حل تلاش کرنے میں لگا رہتا ہوں۔ کبھی کبھی اختلاج قلب کی شکایت ہو جاتی ہے اور کبھی بے خوابی اور چڑ چڑے پن کی۔۔ تو ان کا حل بھی سوچنے بیٹھ جاتا ہوں۔ نہ جانے سارے ڈاکٹر یہ کیوں کہتے ہیں کہ تم NERVOUS ہو۔ آپ کا کیا خیال ہے؟
جواب: ہماری رائے میں جس شخص کے جسم میں NERVES لگی ہوئی ہیں اسے NERNOUS ہونے کا پورا حق حاصل ہے۔
سوال: آپ کے محبوب اشعار کون سے ہیں؟ آپ کو کون سا رنگ اچھا لگتا ہے؟ اور

اپنے پسندیدہ ایکٹر اور ایکٹرس کے نام بھی بتائیں۔
جواب: ہمیں کچھ اس قسم کے اشعار پسند ہیں:

بعد مدت ملے تھے کل ان سے
آج لوگوں نے پھر لڑا مارا
ایسے ویسوں سے جی نہیں ملتا
داغ سا آدمی نہیں ملتا
پان لگ لگ کر مری جان کدھر جاتے ہیں
یہ مرے قتل کا سامان کدھر جاتے ہیں

رنگ تقریباً سارے پسند ہیں' بے رنگ چیزیں اچھی نہیں لگتیں۔ گراؤ چومار کس ہمارا پسندیدہ ایکٹر ہے۔ ایکٹرس کے بارے میں ابھی تک فیصلہ نہیں ہوا۔
سوال: میرا دوست ان دنوں بے شمار مصیبتوں میں گرفتار ہے۔ پریشانیوں سے اس کی صحت گرتی جا رہی ہے۔ اس کا جی بالکل نہیں لگتا' ہر وقت مغموم رہتا ہے۔ تاش میں لگاتار ہار رہا ہے۔ ہر ہفتے گھڑ دوڑ میں ناکامیوں سے واسطہ پڑتا ہے۔
سنا ہے کہ وظیفے سے سب مشکلیں حل ہو جاتی ہیں۔
جواب: دوست غریب کو بیچ میں مت لائیے۔ سیدھی طرح اپنے ذاتی حالات لکھئے۔ اور یہ کس وظیفے کا ذکر آپ نے کیا ہے؟ پڑھنے والا وظیفہ؟ یا روپوں والا؟
سوال: میرے شوہر کو آٹھ برس سے دردسر کی شکایت ہے۔ بہت علاج کئے' لیکن افاقہ نہیں ہوا۔ کیا آپ کوئی مشورہ دے سکتے ہیں؟
جواب: آپ کی شادی کتنے سال پہلے ہوئی تھی؟ بہتر ہو گا کہ یہ سوال آپ کے شوہر ہم سے براہ راست پوچھیں۔
سوال: گرمیوں میں آپ کا کالم پڑھتے ہوئے مجھے محترمہ روح افزا کا نام بہت اچھا معلوم

ہوا۔ کیا ان سے خط و کتابت ہو سکتی ہے؟ ازراہ کرم ان کا پتہ ارسال فرمائیں۔

جواب: اگر آپ مرد ہیں تو آپ کی جسارت پر افسوس ہوتا ہے۔ پتہ معلوم کرنے کا یہ حیلہ بالکل بیکار ہے۔ بھلا ایک لڑکی آپ سے کیونکر خط و کتابت کر سکتی ہے؟

اگر خدا نخواستہ آپ عورت ہیں تو صاف صاف بتائیں۔

ادھر روح افزا صاحبہ بھی خبر دار رہیں۔

سوال: میری شادی ہونے والی ہے۔ منگیتر کے متعلق صرف اتنا جانتی ہوں کہ بیحد سوشل ہیں اور مجھے MIXED تقریبوں میں جانا ہو گا۔ خواتین کی دعوتوں کا تو تجربہ ہے لیکن یہ مسکڈ ڈنر وغیرہ میرے لئے بالکل نئے ہیں۔ کیا آپ تفصیلاً بتا سکیں گے کہ ان میں کیا ہوتا ہے؟

جواب: بعض اوقات سہ پہر کو ٹیلیفون آتا ہے کہ اگر کوئی خاص مصروفیت نہ ہو تو شام کو آپ دونوں ہمارے ہاں ماحضر تناول فرمائیں۔ یا تقریب سے ایک روز پہلے دعوتی رقعہ آتا ہے کہ عشائیے پر تشریف لا کر عنداللہ ماجور ہوں (عند اللہ ماجور اور ماحضر کا ترجمہ پتہ نہیں کیا ہے)۔ یہ ہدایت بھی لکھی ہوتی ہے کہ اگر آنا ہے تو بیشک خاموش رہیں لیکن نہ آ سکتے ہوں تو ضرور اطلاع دیں۔ لیکن نہ جانے کیوں ہر مرتبہ بیشتر مہمان خاموش رہتے ہیں۔ چنانچہ بلانے والا سوچتا ہی رہتا ہے کہ کتنے آئیں گے؟ستر' سو یا پچاس؟

عموماً سب کو آٹھ بجے بلایا جاتا ہے' لہٰذا لوگ نو بجے سے آنا شروع کرتے ہیں اور دس تک آتے رہتے ہیں۔ MIXED مجمع فقط ذرا دیر کے لئے مسکڈ رہتا ہے۔ پھر ایک دم تاش کے پتوں کی طرح خواتین ایک طرف ہو جاتی ہیں اور حضرات دوسری طرف۔ سردیوں میں خواتین انگیٹھیوں اور HEATERS کے بالکل سامنے جا بیٹھتی ہیں اور گرمیوں میں پنکھوں کے عین نیچے یا ایئر کنڈیشنر کے سامنے۔

پتے ایک مرتبہ پھر بنٹتے ہیں۔ ملازمت پیشہ لوگ ایک طرف ہو جاتے ہیں۔ بزنس والے دوسری طرف اور ٹھیکیدار اور زمیندار تیسری طرف۔ اور نہایت دلچسپ اور دلپذیر گفتگو شروع ہو جاتی ہے اور ایسے فقرے سنائی دیتے ہیں:

"جناب وہ منحوس فائل واپس نہیں بھیجی آپ نے۔"
"آپ کا BOSS چھٹا مکان مکمل کر چکا ہے۔ لیکن اب تک اس کے تبادلے کے کوئی آثار نہیں۔"
"یہ بتایئے کہ انکم ٹیکس والوں نے آپ سے کیونکر پیچھا چھڑایا؟"
"ساری الاٹ شدہ جائیداد کا دو مرتبہ مستقل انتقال ہو چکا ہے۔ اب اور کون سا انتقال باقی ہے؟"
"میاں صاحب اتنے دبلے پتلے ہیں کہ زمیندار معلوم ہی نہیں ہوتے۔"
"آپ کی ایسی ہونق اور بوسیدہ موٹر پتہ نہیں کس فرم نے اتنی مہنگی خرید لی۔"
ادھر دوسرے کونے میں خواتین ان خواتین کے متعلق باتیں کرتیں ہیں جو وہاں موجود نہیں ہوتیں اور ہمدردی جتانے کی آڑ لے کر ان کے لباس کی بے سلیقگی' ان کے پھوہڑ پن' فضول خرچی' ان کے خاوندوں کے قرضوں اور سسرال کے جھگڑوں کے بارے میں تازہ ترین افواہیں بہم پہنچاتی ہیں۔ میزبان کے ملازم (جو دراصل پڑوسیوں کے ملازم ہوتے ہیں) گاڑھے شربت' مونگ پھلی اور آلو کے قتلے بار بار پیش کرتے ہیں۔ (جن سے بھوک آدھی رہ جانی چاہیے)۔
کافی انتظار کے بعد "کھانا تیار ہے" نعرہ لگتا ہے اور دفعتہ بھاگڑ پڑ جاتی ہے۔ کھانے کے کمرے میں بھی مرد میز کے ایک کونے پر ہوتے ہیں اور عورتیں دوسرے کونے پر۔ سب پلیٹیں ہاتھ میں لئے کھانے کی طرف بڑھتے ہیں اور مکمل خاموشی طاری ہو جاتی ہے۔ کبھی کبھی "معاف کیجئے" یا (مرچ مصالحوں کی بہتات سے) "سوں سوں" کی آوازیں البتہ آتی ہیں۔
کچھ دیر میں سوائے ذرا سے چاول اور روٹی کے چند ٹکڑوں کے کچھ نہیں بچتا۔ اس کے بعد پان تقسیم کئے جاتے ہیں۔ مہمانوں کو میز پوشوں اور پردوں سے ہاتھ پونچھنے پڑتے ہیں اور برآمدے میں پان کی پیکوں سے گل کاری کی جاتی ہے۔
پھر سب صوفوں اور آرام کرسیوں پر نیم دراز ہو کر بار بار گھڑی دیکھتے ہیں۔ اچانک

ایک طرف سے آواز آتی ہے۔ "معاف کیجئے' بھائی کے خالو رات کی گاڑی سے آنے والے ہیں۔" فوراً ایک اور صاحب خالو کی بھابی کا بہانہ پیش کرتے ہیں۔ ساتھ ہی وہ سب جن کی بھابیاں اور خالو وغیرہ نہیں آرہے' اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔

ایک دفعہ پھر بھاگڑ مچتی ہے اور یوں لگتا ہے جیسے سینما کا شو ابھی ختم ہوا ہو۔ ہر ایک کی یہی کوشش ہوتی ہے کہ کسی طرح وہ سب سے پہلے نکل جائے۔ سوائے ان مہمانوں کے جو لفٹ لے کر آئے تھے یا ٹیکسی میں آئے تھے۔ انہیں چھوڑنے کے لئے میزبان کو مختلف سمتوں میں رات کے ڈیڑھ دو بجے تک چکر لگانے پڑتے ہیں۔ لیکن جب اگلے ہفتے یا اگلے مہینے اسی تقریب کے متعلق یوں چھپتا ہے تو پڑھنے والے شاید متاثر ہوتے ہوں لیکن مہمانوں میں سے پیشتر حیران ضرور ہوتے ہیں۔۔ "پچھلے دنوں شہر کے سوشل جوڑے مسز اور مسٹر ایم۔یو۔زیڈ۔ شاہین کے ہاں بے حد شاندار اور پر رونق ڈنر ہوا۔ شاہینز کو آرائشی سامان کا بڑا شوق ہے۔ تبھی مہمانوں کو ان کا مکان پریوں کا محل معلوم ہو رہا تھا۔

مسز شاہین آبی غرارہ اور چیتے کی کھال کا کوٹ پہنے مہمانوں کی خاطر تواضع میں مصروف تھیں۔ کھانا حسب معمول نہایت لذیذ تھا اور باافراط تھا۔ تکے کباب کیفے ڈی آغا کے تکے کبابوں سے زیادہ چٹپٹے تھے۔ پیاز ٹماٹر کا عجیب و غریب سلاد خود مسز شاہین نے بنایا تھا۔

ایک کونے میں جانی پہچانی سوشل ورکر دردانہ عارف الدین جنہیں سب ڈیزی کہتے ہیں' مسٹر قطب الدین سے مصروف گفتگو تھیں۔ ڈیزی نے شلوار قمیض کا نہایت ہی تنگ جوڑا پہن رکھا تھا۔ جیسا کہ سب جانتے ہیں کہ شلوار قمیض کے سمارٹ جوڑے کی پہلی خصوصیت یہ ہونی چاہیے کہ اسے پہن کر چلنے پھرنے میں کافی دقت ہو۔ بیٹھ کر اٹھنا محال ہو اور اٹھ کر بیٹھنا مشکل۔۔ سیڑھیاں چڑھنا تو بالکل ناممکن ہونا چاہیے۔ سب خوش ہوئے کہ ڈیزی کے اس چست لباس میں یہ خوبیاں تھیں۔ ڈیزی بناؤ سنگھار کے جدید ترین طریقوں اور نسخوں سے بخوبی واقف ہیں اور اپنے ساڑھے چار فٹ قد کو بڑی مہارت سے لمبا کر

لیتی ہیں۔ بالوں میں ایک گولا رکھ کر اور سر پر گھونسلا سا بنا کر جب منہ اوپر کو اٹھا کر چلتی ہیں تو اپنے ہائی ہیل جوتوں سمیت ماشاء اللہ ساڑے پانچ فٹ سے کم معلوم نہیں ہوتیں۔ ڈیزی ان دنوں سارنگی اور پیانو سیکھنے کی کوشش کر رہی ہیں اور افریقہ یا شاید نیوزی لینڈ جانے کی تیاریوں میں مصروف ہیں۔ لیکن ہمیں شبہ سا ہے کہ شاید اس کی نوبت ہی نہ آئے اور چند سالوں تک ان کی شادی ہی ہو جائے۔ افسوس کہ مسز قطب الدین غالباً مصروفیت کی وجہ سے تقریب میں شرکت نہ کر سکیں۔

دوسری طرف مسز قوی' جنہیں منی کہا جاتا ہے' اپنی صاحبزادی مسز لقمان سے جرمن فلاسفروں کے بارے میں گفتگو کر رہی تھیں۔ ان کا بیل بوٹوں والا چتکبرہ شال سب نے پسند کیا۔ قوی صاحب بھی آئے ہوئے تھے اور اپنے دائمی نزلے زکام کی شکایت کر رہے تھے۔ ساتھ ساتھ مشرق وسطٰی کے کلچر پر بھی بحث کر رہے تھے۔

ایک کونے میں ننھی یعنی مسز قلندر اپنی بھتیجی مسز فریڈی یعنی مسز فاضل سے کلاسیکی موسیقی پر باتیں کر رہی تھیں مسٹر غوری بڑے غور سے سن رہے تھے۔ ننھی نے قوس قزح کے رنگوں والی ساڑھی پہن رکھی تھی جسے وہ پیرس سے لائی ہیں۔ مسز فریڈی کی صاحبزادی جارجی یعنی زیتون' ماشاء اللہ کافی خوبصورت ہوتی جا رہی ہے اور دیکھتے دیکھتے ایک دم بڑی ہو گئی ہے۔ یہ اب ریڈیو پر مقامی خبریں نشر کرتی ہے۔۔ اتنی گہما گہمی میں بھی مس لطافت کرم دین یعنی لینا اور مسٹر کرامت کی دلچسپ گفتگو صاف سنائی دے رہی تھی۔ مسٹر کرامت ابھی ابھی یہاں آئے ہیں اور اپنی فلسفیانہ باتوں کی وجہ سے بڑے ہردلعزیز ہیں۔ سنا ہے کہ گاتے بھی خوب ہیں۔ پچھلے سال ان کی چھوٹی لڑکی بی۔اے کے امتحان میں اپنے کالج میں فرسٹ آئی تھی۔ لینا ملگجے لباس اور ریچھ کی کھال کے کوٹ میں بالکل اطالوی دوشیزہ معلوم ہو رہی تھی۔۔ کھانے کی میز پر شاہینز اپنے ہانگ کانگ کا سفر اور خریدو فروخت کے دلچسپ واقعات سناتے رہے۔

رات کے دو بجے تک پارٹی اس قدر پررونق رہی کہ مہمانوں کا گھر جانے کو جی نہیں

چاہتا تھا۔۔" وغیرہ وغیرہ۔
امید ہے کہ آپ سمجھ گئی ہوں گی کہ مکسڈ ڈنر کیا ہوتے ہیں۔
ویسے ان دنوں لنچ یا ڈنر کی بجائے ایک اور تقریب بھی مقبول ہوتی جا رہی ہے۔ اسے

RECEPTION کہا جاتا ہے۔ اس کا وقت چھ یا سات بجے شام ہوتا ہے۔ جو نہ سہ پہر کی چاۓ کا وقت ہے اور نہ رات کے کھانے کا۔
البتہ اس میں سموسے، پکوڑے، چاٹ جیسی چیزوں سے رات کے کھانے سے بیزار کرنے کی پوری پوری کوشش کی جاتی ہے۔ چنانچہ ایسی دو تین تقریبوں میں شرکت ہونے کے بعد یا تو شروع ہی سے معذرت کرنے کو جی چاہتا ہے۔ اگر مجبوراً جانا پڑ جائے تو کھانے کی چیزوں سے دور رہ کر موقع ملتے ہی بھاگنے کو دل کرتا ہے۔
سوال: آپ کے پرچے میں سر پربال اگانے کے سلسلے میں ایک اشتہار کافی دنوں سے چھپ رہا ہے جس میں نہ صرف دوائی کی تعریفیں ہوتی ہیں بلکہ سند کے طور پر مستفیض ہونے والوں کے خطوط کا حوالہ بھی دیا جاتا ہے۔
میں نے بھی اسے استعمال کیا۔ پہلے میرے سر میں تین جگہوں سے تھوڑے تھوڑے بال اڑے ہوئے تھے، یعنی ہر PATCH بالکل چھوٹا سا تھا۔ لیکن اس تیل کی مالش کے نتائج بے حد مایوس کن نکلے اور سر کے باقی ماندہ بال بھی جھڑ گئے۔ بتائیے کہ کس سے شکایت کی جائے؟ آپ سے یا تیل بنانے والوں سے؟؟
جواب: ہم سے شکایت بے شک کر لیں، لیکن اگر آپ نے کمپنی والوں کو لکھا تو ہمیں شبہ ہے کہ کہیں وہ بزنس کے اصولوں کے مطابق آپ کی شکایت کو تعریفی رنگ دے کر کچھ اس طرح نہ چھاپنے لگیں:
"پہلے میرے سر پر گنج کے تین PATCHES تھے۔ الحمدللہ کہ آپ کی شہرہ آفاق لاجواب دوائی کی مالش کے بعد اب فقط ایک PATCH رہ گیا ہے۔"
سوال: پتہ نہیں لوگوں کو دوسروں کے متعلق افواہیں پھیلانے کا اتنا شوق کیوں ہے؟ جسے دیکھو اسی تاڑ میں ہے کہ کسی طرح کوئی ایسی بات معلوم ہو جائے جسے مشتہر کیا جا

سکے۔

نہ جانے میں کیوں بالکل مختلف ہوں۔ نہ مجھے پڑوسیوں کے معاملات میں کوئی دلچسپی ہے' نہ دوستوں' واقفوں' یا محلے والوں کے قضیوں سے کوئی سروکار۔ حالانکہ پڑوس میں ہر سنیچر کی رات کو شیخ صاحب (جنہیں در حقیقت شیخی دکھانے سے نفرت ہے) پتہ نہیں پچاس پچپن کا مجمع کہاں سے اکٹھا کر لیتے ہیں؟ قہقہوں اور چیزیں ٹوٹنے کی آوازیں رات گئے دیر تک آتی رہتی ہیں۔۔ لیکن مجھے اتنا تجسّس نہیں ہوتا۔ نہ کبھی میں نے یہ جاننے کی کوشش کی کہ کرمانی صاحب جو دراصل مدراس کے باشندے ہیں اور دن بھر سائیکل چلاتے ہیں' نہ جانے شام کے بعد ان کے ہاں موٹریں کہاں سے آجاتی ہیں؟ نہ میں نے محلے میں یہ تذکرہ کیا کہ مجذوب صاحب نے اپنی دونوں تلخ و ترش کتابیں دراصل اس امید پر چھپوائی تھیں کہ کسی طرح وہ BAN ہو جائیں۔ جب کسی نے بھی نوٹس نہ لیا تو وہ مایوس ہو کر بحرین جانے کا پروگرام بنا رہے ہیں۔

اور یہ کہ ساتھ والے مکان میں پچاس سالہ مس دندانی کے ہاں ہر مہینے بھانت بھانت کی پختہ عمر عورتیں کس سلسلے میں جمع ہوتی ہیں؟ کبھی اتفاق سے اس طرف نظر چلی جائے تو سب کی سب ناک بھوں چڑھائے ایک دوسری سے بحث کرتی ہوئی دکھائی دیتی ہیں۔ اور رخصت ہوتے وقت پہلے سے کہیں زیادہ غمگین نظر آتی ہیں۔ ادھر مس دندانی نہ جانے اب تک مس کیوں ہیں؟ اور وہ اس غمگین گرہ کو "ذہین ہستیوں کا گروپ" کیوں کہتی ہیں؟ میں ان باتوں کا کسی سے ذکر تک نہیں کرتا۔

کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ لوگوں کو دوسروں کے معاملوں میں خواہ مخواہ دلچسپی لینے اور افواہیں پھیلانے سے کیا ملتا ہے؟

جواب: اپنا سوال دوبارہ پڑھئے' جواب خود مل جائے گا۔

سوال: ولایت جانے سے پہلے میرے منگیتر کے خیالات بالکل ترقی پسند تھے۔ لیکن فقط وہاں کے ایک سال کے قیام نے اسے اتنا بدل دیا ہے کہ وہ عورت مرد کی مساوات سے قطعاً منکر ہو گیا ہے۔ ہر وقت وعظ کرتا رہتا ہے کہ بیوی کو خاوند کا کہنا ماننا چاہیے۔

بیوی کی جگہ گھر میں ہے کلب میں نہیں۔ غیر مرد سے بات نہیں کرنی چاہیے‘ وغیرہ وغیرہ۔ ایسی الٹی سیدھی باتیں سن سن کر تنگ آچکی ہوں۔ سوچتی ہوں کہ ایسے مرد سے شادی کر لی تو میری PERSONALITY پر برا اثر پڑے گا۔ میرے خیال میں مجھے منگنی توڑ دینی چاہیے۔ آپ کی کیا رائے ہے؟

جواب: منگنی مت توڑیئے۔ فی الحال یہی ظاہر کیجئے ولایت میں NAGGING کہتے ہیں۔ یعنی بات بات پر بلاوجہ برا مان جایئے۔ منہ بسوریئے۔ دیر دیر تک خواہ مخواہ خاموش رہیے۔ ناک بھوں چڑھایئے۔ ایک دو آنسو بہا لینے میں بھی کوئی ہرج نہیں۔ پہلے تو وہ حیران ہو گا۔ پھر جھلائے گا‘ روٹھے گا۔ بحث کرے گا۔ پھر آہستہ آہستہ سکون قلب اور اپنے بلڈ پریشر کی خاطر سیدھا ہو جائے گا اور نہ صرف آپ کا ہم خیال بن جائے گا بلکہ اشاروں پر چلنے لگے گا۔

سوال: انار کی بڑی تعریف سنی ہے۔ اس کے فوئد مفصل طور پر بیان کیجئے۔

جواب: کھانے کے علاوہ انار محبوب کے دانتوں کی تعریف کے سلسلے میں کام آتا ہے۔ اگر صرف ایک انار ہو تو احتیاط لازم ہے کیونکہ ایسی حالت میں کہیں سے سو بیماروں کے یک لخت آجانے کا اندیشہ رہتا ہے۔

انار میں ایک بہشتی دانہ بھی ہوتا ہے جسے کھا کر انسان بہشتی بن سکتا ہے۔ (سقہ نہیں)

انار میں دو فیصد اجزائے ملحمہ‘ ایک فیصد روغنی اجزا۔ نصف فیصد کیلشیم اور لوہا‘ صفر فیصد وٹامن ہوتے ہیں۔ باقی پانی ہوتا ہے یا اجزائے گٹھلیہ۔ انار کو وجع المفاصل‘ خفقان‘ قلت الدم (خون کی کمی)۔ دق الاطفال (بچوں کا دق کرنا) اور سقر بوط میں استعمال کیا جاتا ہے۔ کبھی افاقہ ہوتا ہے کبھی نہیں۔ شربت انار میں نوے فیصد پانی اور مٹھاس‘ دس فیصد سرخ رنگ۔ ایک آدھ مکھی اور باقی سب انار ہوتا ہے۔

انار جب ترش ہو (جو اکثر ہوتا ہے) تو دشمنوں (اور دوستوں) کے دانت کھٹے کرنے کے کام آتا ہے۔

سوال: میرا چھوٹا بچہ دن بھر روتا رہتا ہے۔ جب باہر جاتی ہوں یا واپس آتی ہوں تو مکان

کے پچھواڑے سے اس کی چنگھاڑیں سنائی دیتی ہیں۔ شاید اس کے پیٹ میں درد ہوتا ہو گا۔ آپریشن کے علاوہ کوئی اور علاج تجویز کریں۔

جواب: اپنی خادمہ یا بیرے سے دریافت کر کے لکھئے کہ بچے کو کیا خوراک دی جاتی ہے۔ ان سے غذا کے اوقات بھی پوچھ لیجئے۔

سوال: اتفاق سے میں ایک ایسی لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہوں جو بڑے لاڈوں میں پلی ہے۔ اس کے والد سے' جو بالکل ماڈرن ہیں اور ولایت کے تعلیم یافتہ ہیں' کئی مرتبہ شادی کی درخوست کی۔ لیکن وہ بس ایک سوال پوچھتے ہیں۔۔ "کیا میری نازو نعم میں پلی ہوئی لڑکی کو سپورٹ کر سکو گے؟ اس سوال سے ان کی کیا مراد ہے؟ کوئی موزوں جواب بتایئے تاکہ اس مرتبہ چپ چاپ نہ لوٹوں۔

جواب: جہاں تک ہم سمجھ سکے ہیں۔ غالباً وہ یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ آپ ان کی پلی ہوئی لڑکی کا بوجھ اٹھا سکتے ہیں یا نہیں۔

ہمارا مشورہ یہ ہے کہ پہلے ورزش کر کے خوب چست ہو جایئے۔ پھر ہمت کر کے لاڈوں میں پلی ہوئی لڑکی کو دونوں ہاتھوں پر اٹھا کر دکھا دیجئے کہ واقعی آپ اسے سپورٹ کر سکتے ہیں۔

سوال: سسرال والوں نے میری ازدواجی زندگی مکمل طور پر تباہ کر رکھی ہے۔ دو تین سال کے بعد جب کبھی کبھار تین چار روز کے لئے سسرال جاتی ہوں تو وہ میرے خاوند کو سکھا پڑھا دیتے ہیں جس سے بڑی بدمزگی ہوتی ہے۔

آپ کو یا کسی بہن کو کوئی آزمودہ عمل آتا ہو تو مطلع فرمائیں۔

جواب: آپ کا یہ سوال ہم پہلے بھی چھاپ چکے ہیں لیکن ابھی تک کسی بہن نے اس بارے میں کچھ نہیں لکھا۔ لہٰذا ہم اپنا مشورہ پیش کر رہے ہیں۔ اول تو پوری کوشش کریں کہ دو تین برس کے بعد وہ چند دن جو مجبوراً سسرال میں گزارنے پڑتے ہیں' کہیں اور بسر کئے جائیں۔

دوسرے یہ کہ سسرال جانا ہی پڑے تو خاوند کو ساتھ نہ لے جائیں۔ اور اگر ایسا نہ ہو سکے تو مندرجہ ذیل عمل تیر بہدف ثابت ہو گا۔

ہفتے میں چار روز تین مرتبہ لاحول ولا قوہ الا بلا پانی پر دم کر کے شوہر محترم کو پلا دیں۔ سردیوں میں وہ پانی نہ پیئے تو چاء پر دم کریں۔ ورنہ صبح صبح پڑھ کر اس کے چہرے پر پھونک دیا کریں۔

فائدہ ہونے تک اس عمل کو جاری رکھیں۔ اس کے بعد کسی اور ضرورت مند بہن کو بتا دیں۔

سوال: ماڈرن مجرد آرٹ کے ایک شاہکار کو دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ اس کا عنوان تھا۔۔ "بال سنوارتی ہوئی حسینہ۔"

لیکن تصویر میں نہ حسینہ تھی' نہ زلفیں' نہ کنگھی ---۔ غور کرنے پر ایک گھوڑا البتہ جھانکتا ہوا نظر آیا۔

جواب: ہم نے بھی وہ تصویر نمائش میں دیکھی ہے۔ آپ خوش نصیب ہیں کہ کچھ تو نظر آیا۔ ہم تو سالم گھوڑا بھی نہ دیکھ سکے۔ فقط اس کی ایال کے بال نظر آئے جو غالباً حسینہ کی زلفیں تھیں۔ یہ تجریدی آرٹ کہلاتا ہے' مجرد آرٹ نہیں۔۔ نوٹ کر لیں۔ اور اس کے شہکار کو الٹا رکھنے یا سائیڈ پر ٹانگنے سے ایک اور شاہکار تصویر بن جاتی ہے۔

سوال: میں ہائی سکول میں پڑھتا ہوں لیکن کورس کی کتابوں کے علاوہ لائبریری کے رسالوں اور کتب کے مطالعے کا بھی شوق ہے۔

آپ سے یہ پوچھنا ہے کہ ایک طرف تو خودی کی اہمیت پر زور دیا گیا ہے ادھر ایک بڑے مشہور شاعر نے۔۔ "اک گونہ بے خودی مجھے دن رات چاہیے"۔۔ کی خواہش ظاہر کی ہے۔

بھلا کس پر عمل کیا جائے؟

جواب: ہم نے آپ کے سوال کے سلسلے میں تین شاعروں' چار نقادوں اور پانچ پروفیسروں

سے رابطہ کیا، لیکن وہ اب تک خاموش ہیں۔
جونہی ہمیں کوئی تسلی بخش جواب ملا فوراً شائع کر دیں گے۔ مطمئن رہیں۔

○○○

- ## تعارف

محترم جناب فکر تونسوی مدظلہ' کا دیدار بڑے انتظار کے بعد نصیب ہوا۔ مدتوں سے تمنا تھی کہ ان سے ملاقات کا شرف حاصل ہو۔ آخر میرا نصیب اس روز جاگا جب اخبار میں پڑھا کہ وہ ہمارے قصبے میں مشاعرے کی صدارت فرمائیں گے۔

میں نے بڑی محنت کے بعد ایک غزل "کہی" پھر اسے کاغذ پر خوشخط لکھا اور کاغذ بغل میں دبا کر (کیونکہ بس میں اتنی دھکا پیل تھی کہ فقط بغل ہی محفوظ جگہ معلوم ہوتی تھی) پنڈال میں پہنچا۔

مشاعرہ شروع ہوتے ہی مجھ جیسے رنگروٹ شعرا کو ٹرخانے کی کوشش کی گئی۔ جب میرا نام پکارا گیا تو فکر صاحب زاد لطفہ' سے اس قدر مرعوب ہو چکا تھا کہ اپنی غزل کہیں گرا دی۔

سٹیج پر پہنچ کر کچھ دیر سوچتا رہا۔ پھر ان کی طرف ہاتھ بڑھا کر فقط یہ کہہ سکا۔

اب تک نہ خبر تھی مجھے اجڑے ہوئے گھر کی
تم آئے تو گھر بے سرو ساماں نظر آیا

اس کے بعد زبان کو جیسے قفل لگ گیا۔ لیکن انھوں نے ازراہ کرم اٹھ کر میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور انگریزی میں بولے "THAT WILL DO"۔۔ اس کے بعد مزید عنایت ہوئی اور فرمایا کہ جب کبھی تصحیح کی ضرورت ہوا کرے تو جس چیز کو تم اپنا کلام سمجھتے ہو' بلا تکلف مجھے بھیج دیا کرو۔

چنانچہ آپ کی تصحیح سے میری شاعری کو دن دونی رات چوگنی ترقی ہوئی۔ ان کی بزرگانہ شفقتیں سدا شامل حال رہیں اور وہ ہمیشہ لطف و کرم سے نوازتے رہے۔

یہ حقیقت ہے کہ جو کچھ بھی میں ہوں' محض ان کی عنایت سے۔۔ وغیرہ وغیرہ۔
اس انداز میں کافی طویل مقالہ لکھا جا سکتا تھا' مگر یہ سراسر غلط ہوتا۔ کیونکہ نہ تو فکر مجھ سے عمر میں اتنے بڑے ہیں۔ نہ میں شاعر ہوں۔ اور پھر مدظلہ' اور زاد لطفہ' کے اصلی معنے بھی نہیں آتے۔

نیز یہ بھی سمجھ میں نہیں آتا کہ دن کے وقت جب سب جاگ کر محنت کرتے ہیں تو فقط دگنی ترقی نصیب ہوتی ہے' ادھر رات کو سوتے اور خراٹے لیتے ہوئے وہ چوگنی کیونکر ہو جاتی ہے؟
شاید اس میں کوئی رمز ہو۔ اور کسی نے کہا ہے کہ

رمز رمز ہے اس کی تفسیر مت کر

برصغیر بلکہ برکبیر کے مشہور دانشور جناب فکر تونسوی کے فن کے متعلق لکھتے ہوئے موزوں الفاظ چننا آسان کام نہیں۔
پھر بھی (ڈکشنری کی مدد سے) پوری کوشش کی جائے گی کہ جہاں تصور و تفکر' تحقیق و کاوش' ادراک و ذکاوت' اظہار و ابلاغ' زاویہ نگاہ کی جامعیت اور جمالیاتی تصورات سے ہم آہنگی' آمد اور آورد' ابعاد ثلاثہ بعد رابع۔۔ جیسے عام فہم الفاظ اس ٹھوس مضمون میں شامل کئے جائیں' وہاں ہم عصروں کی تقلید و تتبع' تذبذب اور تذبذبذب' وحدانیات اور وجدانیات' ابہام کی لذت' عمق و استدلال' کمالیات و جمالیات' تحت الشعوری کشمکش' نرگسیت کی جامعیت جیسے روز مرہ کے جانے پہچانے الفاظ بھی موجود ہوں۔
اور یہ بھی کہ فکر صاحب نے زندگی کی راہ میں کون کون سے مراحل طے کئے؟ اور کیوں کئے؟ وہ تلاش و جستجو کی کن کن منزلوں سے گزرے؟ اور کہاں کہاں سے نہ گزر

سکے؟ کیا اس لئے کہ ان منزلوں کا پورا پتہ معلوم نہ تھا؟ اور انھوں نے کس کس جگہ قیام کیا؟ اور کن مقامات پر قیام نہ کر سکے؟ اور کیوں؟ اور کب؟ اور وغیرہ وغیرہ۔

ایسی چند ہی سطریں لکھی ہوں گی کہ شبہ سا ہو چلا ہے کہ شاید اس قسم کا مضمون اچھی طرح نہ لکھ سکوں۔ اگرچہ بہت چاہتا تھا کہ ان پر ٹھوس اور جامع مقالہ رقم کروں۔

یہ صحیح ہے کہ موصوف پر بہت کچھ چھپا ہے' تاہم اسے کم ہی سمجھا جائے کیونکہ جہاں بغیر سوچے سمجھے لکھنا کافی مشکل کام ہے وہاں طرح طرح کی پچاس ساٹھ کتابوں کے حوالے دیئے بغیر تو اور بھی دشوار ہے۔

مشاعرہ شروع ہوا ہی تھا کہ ایک شرمیلا سا نوجوان سٹیج پر آیا۔ اس کی غزل کے پہلے دو شعروں پر ہی میں چونک پڑا۔ بقیہ اشعار سننے پر یقین ہو گیا کہ یہ نو مشق بہت جلد غضب ڈھائے گا۔ میں نے صدر مشاعرہ کی طرف اشارہ کیا جو میری جانب اشارہ کرنے والے تھے۔

ہونہار بروے کے چکنے چکنے پات۔۔ وہ دن اور آج کا دن' دیکھتے دیکھتے عزیزم فکر نے ایسی ترقی کی کہ بڑے بڑوں کے کان کاٹنے لگے۔

جس قدر پروپیگنڈہ میں عزیزی کے لئے کر سکتا تھا دل کھول کر کیا اور لگاتار ہمت بھی بندھاتا رہا۔۔ حتیٰ کہ چاروں طرف ان کا طوطی بولنے لگا۔

اسے ان کی سعادت سمجھئے کہ جب بھی ان پر تحسین و آفرین کے ڈونگرے برستے ہیں وہ اس خاکسار کو یاد رکھتے ہیں اور یہ بتانے میں بخل سے کام نہیں لیتے کہ جن بلندیوں کو وہ چھو رہے ہیں اس میں مجھ ناچیز کی حقیر کوششیں بھی شامل ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔

اس قسم کی عبارت بھی درست نہیں ہو گی کیونکہ وہ عمر میں مجھ سے چھوٹے نہیں ہیں' لہٰذا انہیں عزیزی کسی حساب سے نہیں لکھا جا سکتا۔ یہ اور بات ہے کہ ان کہ طبیعت میں شروع ہی سے انکسار رہا ہے۔۔ اس قدر کہ اگر انھوں نے کبھی باقاعدہ طور پر اپنی سوانح عمری لکھی تو اپنے بارے میں کچھ شامل نہیں کریں گے۔ ساری کتاب میں دوسروں

کا ذکر ہو گا۔ ویسے بھی ان کی شخصیت یاروں دوستوں کو عزیز رہی ہے۔ (ایک مرد کے لئے مونث صیغہ استعمال کرتے ہوئے افسوس ہوتا ہے۔ لیکن اگر کسی کو گلہ ہو تو بجائے راقم الحروف کے اردو گرامر سے ہونا چاہیے)

اس کے علاوہ برواکا پودا آج تک دیکھنا نصیب نہیں ہوا' لہٰذا اس کے پتوں کی چکنائی (یا کھردرے پن) کے متعلق وثوق سے نہیں کہا جا سکتا۔ رہ گیا کان کاٹنا تو انہوں نے کسی کے کانوں کو چھوا تک نہیں' یہاں تک کہ پالتو بلی یا کتے کے کان کو بھی نہیں۔ جہاں تک طوطی بولنے کا تعلق ہے تو کہیں بھی وہ طوطی نہیں دیکھا گیا جو کسی انسان کو شہرت ملنے پر بولنے لگتا ہے۔

دوسرے یہ کہ موصوف کو پرندوں سے کوئی دلچسپی بھی نہیں۔۔ سوائے مرغ' تیتر اور بٹیر کے۔ اور پتہ نہیں وہ بھی رہ گئی ہے یا نہیں۔

ڈونگروں کو نہ تو کبھی ساکن حالت میں دیکھا ہے اور نہ برستے ہوئے۔ بلکہ یہ بھی پتہ نہیں کہ یہ ہوتے کیا ہیں۔ بہرحال محاورے پھر محاورے ہیں۔

رفیق دیرینہ فکر تونسوی صاحب سے بڑی پرانی دوستی ہے۔۔ تب سے جب میں پنجاب کے جنوبی حصے میں مویشی گننے کے عہدے پر فائز تھا۔ انہی دنوں دورے پر ایک قصبے میں گیا تو ایک دکان پر پھرتیلے سے نوجوان کو دیکھا جس سے دکاندار بڑے ادب سے پیش آرہا تھا۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ آپ اس علاقے کے مشہور شاعر فکر تونسوی ہیں۔ جب مین نے بتایا کہ مجھے اچھے اشعار سننے کا شوق رہا ہے تو فکر نے مجھے لسی پینے کی دعوت دی جو میں نے فوراً قبول کر لی۔ پھر باتوں باتوں میں کہا کہ اگر وہ ان حضرات سے بات چیت کرا دیں جو ڈیوٹی کے سلسلے میں میری مدد کر سکتے ہوں تو ممنوں ہوں گا۔ انہوں نے خندہ پیشانی سے متعلقہ لوگوں سے ملایا۔ فکر کی ذہانت اور سوشل رکھ رکھاؤ سے میں بہت متاثر ہوا۔

پھر چلتے وقت انہوں نے مشورہ دیا کہ حیوانات کی بجائے اگر میں انسانوں کی طرف رجوع کروں تو مستقبل بہتر ہو سکتا ہے۔ (یعنی میرا مستقبل)

یہ تھی فکر سے پہلی ملاقات۔

چنانچہ میں نے رات دن ایک کر کے بی۔اے کیا۔ بعد میں جب سات آٹھ برس کے بعد بسوں کے اڈے پر ان سے مختصر سی ملاقات ہوئی تو میں ایم۔اے کر چکا تھا۔

بہتر سے بہترین کی طلب مجھے اور آگے لے گئی اور کمر ہمت باندھے بغیر (کیونکہ مجھے علم نہ تھا کہ کمر کس طرح باندھی جاتی ہے) مقابلے کے امتحان میں بیٹھا۔ فکر صاحب نے برسوں پہلے جو مشورہ دیا تھا اس کی بنا پر کامیاب ہوا۔

کچھ عرصے کے بعد جب ان کے ضلع کا افسر بن کر ان کے قصبے میں گیا تو انہیں یاد رکھا۔ شام کے کھانے پر ریسٹ ہاؤس میں بلانا چاہتا تھا کہ کسی نے بتایا کہ وہ ایک مشہور ادبی رسالے کے ایڈیٹر بن کر لاہور جا چکے ہیں اور اب نثر نگاری شروع کر دی ہے۔

مزید ترقی کے سلسلے میں جب تگ و دو کر رہا تھا تو لاہور جانے کا اتفاق ہوا۔ اپنا نا کر ان کے دفتر بھیجا۔ معلوم ہوا کہ وہ اس وقت باہر گئے ہوئے ہیں غالباً لنچ کے سلسلے میں۔

پھر انہیں ایک ریلوے جنکشن پر دیکھا۔ میں ان کی طرف جا ہی رہا تھا کہ ٹرین چلنے لگی اور مجھے فوراً واپس بھاگنا پڑا۔ جب میری ترقی ہوئی تو انہیں خط لکھا جو شاید ڈاکئے نے کھو دیا۔ اس کے بعد ایک وفد کے ہمراہ مجھے چند ہفتوں کے لئے سمندر پار بھیجا گیا۔ مختلف مقامات پر جو کانفرنسیں ہوئیں وہ بے حد اہم تھیں۔ لیکن فکر مجھے ہمیشہ یاد رہے اور وہاں سے انہیں رنگ برنگے پکچر پوسٹ کارڈ بھیجے۔ غالباً شدید مصروفیت کی وجہ سے وہ ان کا جواب نہ دے سکے یا شاید میں پورے ٹکٹ نہ لگا سکا۔

واپسی پر ایئرپورٹ کے ایک حصے میں دور ایک صاحب نظر آئے جو فکر لگتے تھے میں فوراً ان کی جانب لپکا لیکن وہ ہجوم میں غائب ہو چکے تھے۔ مجھے یقین ہے کہ شاید وہ فکر ہی تھے۔

اعلیٰ کارکردگی پر جب مجھے اعزاز ملا تب بھی انہیں یاد رکھا ایک شخص کے ہاتھ مٹھائی اور خط انہیں بھیجے جس کے جواب میں رسیدی پوسٹ کارڈ آیا۔ ان کی اس کرم فرمائی

پر خوشی دوبالا ہو گئی۔
جب میرے مکان کی تعمیر شروع ہوئی تو انہیں اطلاع دی۔ ایک کارڈ پھر آیا جب میں نے سستے داموں میں دوسرے مکان کے لئے زمین خریدی تو انہیں۔۔ جب میں دوبارہ سمندر پار گیا تو ان کو۔۔ جب میں نے یہ کیا۔۔ جب میں نے وہ کیا۔۔ اس کے علاوہ میرا۔۔۔ میں نے۔۔۔ میں۔۔۔
اس مقبول سٹائل سے بھی یہ خاکسار احتراز کرے گا کیونکہ اول تو اس میں "میں ہی میں" ہے۔ فکر صاحب بیک گراؤنڈ سے بھی عقب میں ہیں۔ دوسرے یہ کہ یہ سب کچھ قطعاً نہیں ہوا تھا۔
میں اور میرا ہم جماعت کلو اور کانگڑے کے خوشنما علاقے کی سیر سے واپس آ رہے تھے۔ پٹھان کوٹ سے ہمیں جو ٹرین ملی وہ اتنی سست رفتار تھی کہ لاہور صبح چار بجے پہنچی۔۔۔ یا شاید وہ صحیح وقت پر آئی ہو اور ہم ٹائم ٹیبل صحیح طرح نہ دیکھ سکے۔ سٹیشن پر معلوم ہوا کہ قصور کی پسنجر ٹرین میں ابھی چھ سات گھنٹے باقی ہیں۔
سوچنے لگے کہ تب تک کیا کیا جائے؟
بے وقت ناشتہ کرنے کا خیال آیا لیکن جب بٹوے نکال کر روپے' آنے اور پیسے گنے تو لودھراں تک کے دو تھرڈ کلاس ٹکٹوں جتنی رقم تھی۔ (لودھراں سے بہاولپور فقط چند میل دور ہے لیکن بیچ میں دریائے ستلج حائل ہے)۔
یکایک میرے دوست کو وہ خط یاد آگیا جو میں نے پہاڑوں' وادیوں کے جلال و جمال سے متاثر ہو کر فکر تونسوی صاحب کو بھیجا تھا۔
"فکر صاحب مشہور اہل قلم ہیں تو کیوں نہ ان کے ساتھ صبح منائی جائے؟" اس نے پوچھا۔
"ادبی شخصیتوں کے ساتھ شام منائی جاتی ہے۔ وہ بھی ان کی اجازت کے بعد۔ آج تک نہیں سنا کہ کسی کے ساتھ صبح منائی گئی ہو۔"
"شام کو تو وہ کئی سوشل تقریبوں میں مصروف ہوتے ہوں گے۔ دن بھر رسالے کے دفتر میں کام رہتا ہو گا۔ لہٰذا صبح ہی وہ وقت ہے جب۔۔"

"مگر صبح ہونے میں تو ابھی دیر ہے۔۔"

"تو پھر صبح کاذب یا صبح صادق منانے میں تو اور بھی جدت ہو گی۔ بالکل نئی چیز ہے لہٰذا ترقی پسندی میں شامل ہو گی۔"

محض اس کے اصرار پر مجبور ہو کر (اور چند میل پیدل چل کر) فکر صاحب کے گھر دروازہ کھٹکھٹایا لیکن کوئی جواب نہ ملا۔

پھر میرے دوست نے یہی عمل بڑی سرگرمی سے اس وقت تک جاری رکھا جب تک پڑوسیوں نے شور نہیں مچایا۔ اس پر دروازہ کھلا اور پیشتر اس کے فکر یہ سمجھ سکتے کہ کیا ہو رہا ہے اور ہم کون ہیں' میرے دوست نے اردو شاعری کے جدید رجحانات کے بارے میں سوالات کی بوچھاڑ کر دی۔ یہاں یہ بتانے میں کوئی مضائقہ نہیں کہ ان کا کمرہ چار دیواروں' ایک فرش' ایک کرسی' چھت' دروازوں' میز' دو کھڑکیوں اور ایک بلی سے مزین تھا۔

ان کا اونگھتا ہوا ملازم ہمارے لئے دو دو چھٹانک کی ہلکی ماڈرن کرسیاں لایا' جن پر ہم بیٹھتے ہی اٹھ کھڑے ہوئے کیونکہ وہ چبھتی تھیں۔ میز پر بیٹھنا زیادہ آرام دہ تھا۔ اس کے بعد وہ دروازے کھڑکیاں بند کر کے دیر تک ان چیزوں کو جلانے کے لئے ہوا دیتا رہا جنہیں وہ کوئلے سمجھ رہا تھا۔ اس کے پنکھے کی متواتر گردش سے کمرے کا ٹمپریچر نقطہ انجماد تک پہنچ گیا ہو گا۔ اس کا ثبوت وہ چھینکیں تھیں جو ہم سب کو دبادب آرہی تھیں۔ ادھر فکر صاحب جمائیاں بھی لے رہے تھے اور جاگنے کی کوشش میں بھی مصروف تھے۔ جب ان سے سے پوچھا گیا کہ شاعری اور نثر میں کیا فرق ہے؟ تو انہوں نے انتہائی تحمل کا مظاہرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ سوال کی وضاحت کی جائے۔ میرے دوست نے اپنا سوال دوہرا کر کہا۔ "نیز یہ کہ آزاد شاعری اور نثر کو الگ الگ کرنے میں کبھی کبھی غلط فہمیاں ہو جاتی ہیں۔"

انہوں نے جواب دیا کہ شاعری اور نثر میں پہلا فرق تو یہ ہے کہ غزل ہو یا نظم۔ کاغذ پر تحریر کرتے وقت "لکھی" نہیں جاتی بلکہ "کہی" جاتی ہے' دوسرے یہ کہ شاعری

کا ہر مجموعہ دیوان کہلاتا ہے۔ اس سلسلے میں انھوں نے بارہا سوچا بھی کہ اگر یہ دیوان ہے تو ریاستوں میں نواب یا راجہ کے معتمد خاص کو دیوان صاحب کیوں کہا جاتا ہے؟ تیسرے یہ کہ آزاد ہوتے ہی جہاں شاعری ساری زنجیریں توڑ چکی ہے وہاں نثر کو نہ جانے کیوں آزادی نہ مل سکی' یہ اب تک غلامی میں پھنسی ہوئی ہے۔ چوتھے یہ کہ کسی فل سکیپ کاغذ پر پہلے عبارت لکھ دیں' پھر کاغذ کو نصف تہہ کر لیا جائے تو شاید داہنی طرف کے فقروں سے ایک آزاد نظم وجود میں آ سکتی ہے اور بائیں جانب کی سطروں سے دوسری۔

اتنے میں ان کا ملازم کسی دکان سے ایسی جانی پہچانی چائے لایا جس میں سب کچھ پہلے ہی سے ملا ہوا تھا اور جسے پیتے ہی ہم سب ہڑ بڑا کر اٹھے۔

فکر نے فوراً چونک کر کہا کہ جہاں غزلوں کے اشعار ہارمونیم اور طبلے پر گائے جاتے ہیں' وہاں آزاد نظم کے مصرعوں کا کوئی ساز ساتھ نہیں دے سکتا۔۔ یہاں تک کہ غیر ملکی موسیقی کا کوئی آلہ' مثلاً ٹرومبون' یوفونیم' یوکلیلی وغیرہ بھی نہیں۔ اس کے علاوہ جہاں شاعری میں دو غزلہ' سہ غزلہ بلکہ چہار غزلہ تک کی کھلی اجازت ہے' وہاں نثر مین دو مضمونہ' سہ انشائیہ یا چہار افسانیہ لکھتے وقت جھجک محسوس ہوتی ہو گی۔

باتوں باتوں میں یہ احساس ہی نہ رہا کہ ٹریفک شروع ہو چکا ہے۔ سڑک سے طرح طرح کی آوازیں آرہی تھیں اور کھڑکی سے سورج کی شعاعیں۔

دفعۃً ایک گرجدار صدا سنائی دی:

یوں پکاریں ہیں مجھے کوچہ جاناں والے
ادھر آبے' ابے او چاک گریباں والے

اس پر ہمارے کان کھڑے ہوئے۔ پھر دبنگ نعرہ لگا جو کسی بادشاہی سرمے یا کسی اصلی شہنشاہی چیز کے اشتہار کے بارے میں تھا۔

"کیا ہی کنڈلی مار کر بیٹھا ہے جوڑا سانپ کا۔"
پھر یہ شعر نازل ہوا

"مرتے مرے ہم بچے اور خیر کی اللہ نے!

رات بھر چوٹی سمجھ کر سر مروڑا سانپ کا"

اس پر میرے دوست نے پوچھا کہ جب غلط فہمی کے تحت سانپ کا سر مروڑا جا رہا تھا تو اس نے احتجاج کیوں نہیں کیا۔۔ کاٹ لیتا یا دوڑ جاتا۔
موصوف نے فرمایا کہ کوئی صاحب دل سانپ ہو گا جو رواداری میں وہیں بیٹھا رہا۔ پھر آپ نے چٹکی بجائی اور ملازم حلوائی کی دکان سے گرم گرم حلوہ لے آیا۔ ہم سمجھ گئے کہ اب وہ پوری پوری طرح بیدار ہو چکے ہیں۔
میرے دوست نے اس بے انصافی کا ذکر کیاجو مغربی دانشور مشرق والوں اور خصوصاً جنوب مشرق والوں سے روا رکھتے ہیں۔ یعنی ان کے ہر کارنامے کا CREDIT خود لے لیتے ہیں۔ اس پر فکر صاحب نے جنوب مشرقی جیومیٹری، جنوب مشرقی ELECTRONICS جنوب مشرقی سرجری اور آئن سٹائن کی جنوب مشرقی تھیوری پر ہلکی سی روشنی ڈالی اور ملازم کو ایک خاص اشارہ کیا جسے وہ ضرور سمجھ گیا ہو گا کیونکہ اس نے فوراً یاد دلایا کہ آج رسالے کے درفتر میں کانفرنس ہے لہٰذا انہیں جلدی پہنچنا ہو گا
اس طرح یہ انٹلکچوئل محفل ختم ہوئی۔ وغیرہ وغیرہ۔
ایسی داستان جو طویل بھی کی جا سکتی ہے، شاید ماڈرن قدروں کے عین مطابق ہو، لیکن در حقیقت یوں بالکل نہیں ہوا تھا۔
بھلا دو معمولی طالب علم ایک مشہور رسالے کے مدیر سے اتنی بے تکلفی کیوں کر برت سکتے تھے۔ اس کے علاوہ ایسے حالات میں کسی بھی مدیر کا اتنا صابر اور متحمل ہونا بہت مشکل ہے۔

(ویسے اس سے ملتا جلتا واقعہ ضرور آیا تھا لیکن ادبی سلسلے میں نہیں بلکہ اکھڑ قسم کے حالات میں۔ اور وہ بھی میرے دوست کے دوستوں کے ساتھ)

راقم الحروف نے اب تک محققانہ انداز میں کچھ نہیں لکھا۔۔

قارئین اور سامعین، دونوں کے لئے یہ امر باعث مسرت و بہجت ہو گا کہ خاکسار نے جس کاوش اور چھان بین سے فکر صاحب کے طنز و مزاح پر ایک ضخیم مقالہ لکھنے کا مصمم ارادہ کر رکھا ہے۔ امید کامل ہے وہ خود اس موضوع پر ایک گراں قدر تصنیف بن جائے گی اور اس میں ایسے ایسے انوکھے زاویوں سے موضوع اور متعلقہ اجزا کو پرکھا جائے گا کہ اس سے مستفیض ہونے کے لئے خاص ذوق، ذہانت و دیگر لوازمات ضروری ہونگے۔ پوری کوشش کی جائے گی کہ اسے جس قدر SYMBOLIC یعنی اشارتی بنایا جا سکے دریغ نہ کیا جائے تاکہ محض انٹلکچوئل طبقے کے لئے خاصے کی چیز ہو۔

اور اگر دوسرے اسے OUT OF BOUNDS سمجھیں تو سمجھا کریں۔

سب جانتے ہیں کہ ادب کو اشارتی بنانے میں خاصی دشواریاں ہوتی ہیں۔

جیسا کہ اس شعر سے ظاہر ہے:

بیکار نالے صورت بلبل کئے تو کیا
کس سے کہیں کہ گل کی سماعت میں فرق ہے

سالم مقالہ تو طوالت کی وجہ سے یہاں نقل نہیں کیا جا سکتا لیکن TRAILER یعنی نمونے کے طور پر کہیں کہیں سے چند حصے پیش ہیں:

انسان کا خیال ہے کہ وہ کائنات کا محور ہے اور اس کی اپنی ذات کے اندر بھی کائنات موجود ہے، تبھی اس نے اپنے لئے اشرف المخلوقات کا لقب چنا ہے۔ غالباً اس لئے کہ دیگر جاندار (سوائے طوطے کے) بول نہیں سکتے اور نہ (طوطے سمیت) لکھ سکتے ہیں۔

فکر صاحب کے فن کی تشریح سے پہلے اگر ہنسی، ہنسنے کے عمل، ہنسی کی حد، ہنسوڑ پنے

کے درجے' قہقہوں کی اہمیت۔۔۔ وغیرہ کی وضاحت کر دی جائے تو بہتر ہو گا۔ یعنی
"دل ہی دل میں لڈو پھوٹنا" (خواہ پڑھنے والا سوچتا رہے کہ لڈو دل میں کیسے پہنچ گئے)۔۔
"باغ باغ ہو جانا" (خواہ چاروں طرف ریگستان ہو)۔۔ زیر لب (اور اگر مونچھیں ہوں تو
زیر مونچھ) مسکرانا۔۔ باچھیں کھل جانا (بیشتر لوگوں کو باچھیں کے معنے معلوم نہیں' تبھی
وہ کھل جانا کہ جگہ کھل جانا پڑھتے ہیں)۔۔ بتیسی دکھانا (خواہ سارے دانت مصنوعی ہوں)۔۔
بغلیں بجانا (اپنی بغلیں)۔۔ وغیرہ کی کیا نوعیت ہے اور ان سب میں کتنا فرق ہے۔ اسے
دیباچے کے شروع میں بیان کیا جائے گا۔
اس کے بعد اس عجیب و غریب (غریب کی جگہ شاید امیر بہتر ہوتا) کیفیت کا تجزیہ ہو
گا کہ انسان کو کیا مصیبت پڑی ہے کہ وہ ہنسے' جبکہ دیگر جاندار۔۔ یعنی چرند' پرند' درند'۔۔۔
سنجیدہ رہتے ہیں۔ اس کا جواب دینے کے لئے بھی تقریباً تیس چالیس صفحات درکار ہوں
گے۔ مزاح کی اصناف۔۔ مثلاً ٹھٹھول بازی' بزلہ سنجی' حاضر جوابی' دل لگی' ضلع جگت'
برجستہ گوئی' پھکڑ پن' مضحک لفاظی۔۔ وغیرہ کا تذکرہ مقابلے کے وسط میں ہو گا۔
پھر یہ کہ اردو میں جتنا بھی مزاح ہے اس کا اثر ہم پر عملی طور پر کیوں نہ پڑ سکا؟
ہنس مکھ قوموں کی شگفتہ مزاجی سے متاثر ہونے سے ہم کیوں معذور رہے ہیں؟ اور معذور
رہنے کے لئے ہم نے کیا کیا جتن کئے اور کیسے کیسے بہانے بنائے؟
اس پر بھی روشنی ڈالنے کی کوشش کی جائے گی۔ (ممکن ہے کہ وہ کچھ دھندلی سی
ہو کیونکہ بقول انگریزوں کے AGNORANCE AS BLISS
اس سے اگلے حصے میں سنجیدہ نثر اور مزاحیہ نثر میں فرق معلوم کرنے کے مفید گر بتائے
جائیں گے۔
بعد میں ادبی مزاح اور صحافتی طنز کے مدغم ہو جانے سے پبلشرز اور نقادوں کو جو فائدے
ہوئے اور جن الجھنوں نے سر اٹھایا۔۔ ان کو الگ الگ کرنے کی کوشش کی جائے
گی۔ پھر پیچیدگیوں پر لمبا تبصرہ کیا جائے گا جو پیدا نہ ہو سکیں۔
قبل از مسیح کے طنز و مزاح کا بھی ذکر ہو گا۔

مثلاً بابل اور نینوا کے کھنڈرات میں جو انسان نما حیوانوں کے مجسّمے ملے ہیں ان کی مونچھیں داڑھیوں سے بھی بڑھی ہوئی ہیں۔۔ جو محاورے کے سراسر خلاف ہے۔ اور یہ معلوم ہی نہیں ہو سکتا کہ وہ سنجیدہ ہیں یا ہنس رہے ہیں' کیونکہ چہرہ بالوں سے بھرا ہوا ہے۔

ادھر مصنوعی داڑھی لٹکانے والے فرعونوں کے مقبروں میں مصریوں کی تصویریں دیکھ کر یوں لگتا ہے کہ وہ مطمئن تو شاید ہوں لیکن مسرور نہیں معلوم ہوتے۔ شاید اس لئے کہ انہیں علم ہو گا کہ جونہی صحرا کی طرف سے باد سموم چلی تو مصنوعی داڑھی کے ملنے اور گر جانے کا امکان ہو سکتا ہے۔

یونانیوں کے عہد زریں میں اداکاری بالکل کھلے ہوئے' یعنی بغیر چھت کے تھیٹروں میں ہوا کرتی۔

چنانچہ اداکار اور تماشائی دونوں کچھ ڈرے ڈرے سے رہتے۔ یعنی دھوپ میں پسینے سے شرابور۔ اور اگر شام کو بارش ہو جائے تو سب کے تہمد نما کپڑے بھیگ جائیں۔ سردیوں میں ایسے لباس میں خوب ٹھنڈ لگتی ہو گی۔۔ تبھی ان کے طربیہ ڈرامے اتنے طربیہ نہیں لگتے جتنی کہ اس خوشنما علاقے کے زندہ دل لوگوں سے توقع رکھی جا سکتی تھی۔

رومن آئے تو حیوانوں' انسانوں کی لڑائی میں تینوں متعلقین۔۔ جانور' لڑنے والے اور تماشائی۔۔ سب کو سنجیدہ ہونا پڑا۔

لیکن چند رنگیلے رومن حکمرانوں نے بعد میں محفل رقص و سرود منعقد کرا کے سنجیدگی اور ہنسی کو برابر برابر چھڑانے کی کوشش ضرور کی۔

پھر جو تہذیبیں آئیں۔۔ اور وہ تہذیبیں بھی جن کے متعلق ہماری معلومات کم ہیں' ان کے بارے میں ستر اسی صفحات کے لگ بھگ۔

پھر تقریباً پچاس صفحات میں اس گتھی کو سائنٹیفک طریقے سے سلجھایا جائے گا کہ انسان سارے سنجیدہ جانداروں کے سامنے ہنس ہنس کر خواہ مخواہ اپنی پوزیشن کیوں آکورڈ کراتا ہے۔۔ وغیرہ وغیرہ۔

لیکن شاید راقم الحروف یہ سب کچھ پوری تفصیل سے نہ لکھ سکے۔ کیونکہ زیادہ سے زیادہ الفاظ میں کم سے کم کہنا کافی مشکل کام ہے۔ اس کے علاوہ اگر مضمون اور طویل ہو گیا تو THESIS کہلانے کا مستحق ہو گا' جسے پی ایچ ڈی کے لئے بھیجا جا سکتا ہے۔ ڈگری ملنا نہ ملنا اور بات ہے لیکن یہ خاکسار پہلے ہی سے ڈاکٹر ہے۔ اور ڈبل ڈاکٹر بننا کسی کسی کا کام ہے۔

دانشوروں کی شروع کی زندگی کی تگ و دو اور طرح طرح کے الٹے سیدھے تجربوں کا ذکر نہ صرف پسند کیا جاتا ہے۔ بلکہ کچھ شبہ سا ہے کہ موجودہ دور میں پڑھنے والے اس کی توقع بھی رکھتے ہیں۔

اوائل عمر میں ادبی خدمات کے ساتھ ساتھ فکر صاحب نے ٹیوشن بھی کی (یعنی دوسروں کو پڑھانے کی کوشش کی) ایک فل ٹائم ٹیکنیکل ڈیپارٹمنٹ میں پارٹ ٹائم کام بھی کرتے رہے۔ پھر بیمہ کمپنی کے ایجنٹ بنے' لیکن اپنے پروں پر پانی نہیں پڑنے دیا۔ جب منیجر کو معلوم ہوا اور اس نے پالیسی لینے پر اصرار کیا تو آپ نے کہا کہ شروع سے میرا عقیدہ یہی رہا ہے کہ HONESTY IS THE BEST POLICY

اس کے بعد دیہات سدھار محکمے میں شریک ہوئے اور کئی بڑے بڑے شہروں کی سجاوٹ میں مزید اضافہ کیا۔

اس کے بعد جب آپ ریڈ کراس میں تھے تو حسب معمول ایک منہ بولے دوست نے آپ کو ڈبل کراس کرنے کی کوشش کی لیکن فریقین میں سے کسی کو کامیابی نہ ہو سکی۔

پھر آپ کو LIPTON کی چاء (بہت سے لوگ جسے لپٹن کی چاہ بھی کہتے ہیں) کے نمائندے کی حیثیت سے لنکا کے دورے کی دعوت دی گئی' لیکن دفتری کاروائی اور VISA وغیرہ میں اتنی دیر لگ گئی کہ تب تک لنکا سری لنکا بن چکا تھا۔

مختصر عرصے کے لئے آپ کو ایکٹنگ کرنے کو موقع بھی ملا۔ لیکن میک اپ کرتے وقت چہرے پر جس قسم کی چیزیں تھوپنی پڑتی ہیں' اور آسانی سے اترتی ہی نہیں' ان کی وجہ

سے ہیرو بننے کا خیال چھوڑ دیا۔
بعد ازیں ایک کمرشل بینک کے منیجر بنے اور پھر بلڈ بینک کے۔۔ وغیرہ وغیرہ۔
یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ بلہ بھی ناکام رہے گا۔ کیونکہ ان کے ساتھی فوراً اس کی تردید کر دیں گے کہ فکر صاحب نے ایسی یا اس قسم کی اور حرکتیں بالکل نہیں کیں۔

رہ گیا تجربہ۔۔ اس کے حصول کے لئے سب تلقین کرتے ہیں اور بار بار اس کی ہمت دوہرائی جاتی ہے۔ لیکن بعض اوقات اسی کوشش میں ایسے ایسے تجربے بھی ہو جاتے ہیں کہ انسان لاحول پڑھتا ہے اور اس قسم کے ہونق تجربے سے پہلے وہ کہیں بہتر تھا۔

تعارف نویسی کی یہ چند کوششیں کامیاب نہ ہو سکیں۔
سوچ رہا ہوں کہ جب وہ مدیر تھے کیوں نہ ان دنوں کے واقعات اور باتوں کا ذکر کیا جائے۔ ان کا جس مشہور رسالے سے واسطہ تھا اس کے دفتر میں سہ پہر سے رونق شروع ہو جاتی' جو دیر تک رہتی۔ اور ایسے ایسے ادبی V.I.P اکٹھے ہوا کرتے کہ فقط ہم جیسے چند نو مشق (جو تعلیم کے دباؤ کی وجہ سے محض کبھی کبھار وہاں جا سکتے) ہی کو V.U.PS. یعنی (VERY UN-IMPORTANT PERSONS) کہا جا سکتا تھا۔
ادبی (اور غیر ادبی گفتگو میں چھیڑ خانیاں ہوتیں۔ قہقہے لگتے۔ اور وہ عمل جسے انگریز PULLING LEG کہتے ہیں' اس کا مظاہرہ عام ہوتا۔
مثال کے طور پر ایک صاحب آئے جو چند پبلشرز کی مطبوعہ کتابوں کی تعریف میں اشتہار' گردو پیش کی عبارت وغیرہ لکھتے اور معاوضہ وصول کیا کرتے' ان پر کسی نے چوٹ کی کہ "جو شخص ہر افسانہ نویس' شاعر' مضمون نگار کی تصنیف پر زمین آسمان کے قلابے ملا سکتا ہے' کاش کہ وہ اپنے مقرر کئے ہوئے معیار پر ایک چھوٹا سا کتابچہ ہی خود لکھ کر دکھا دے"۔۔ انہی دنوں ایک نقاد نے ریویو میں لکھا:"اگلے ایڈیشن کے لئے (اگر وہ کبھی چھپا) یہ پر خلوص مشورہ پیش ہے کہ مصنف اس بے حد طویل اور فالتو تعریفوں سے لبریز دیباچے پر ہی اپنی کتاب ختم کر دے اور اس کے بعد جو کچھ خود لکھا ہے اسے

قطعاً حذف کر دے۔"
اسی طرح ایک دفعہ فکر کی شاعری کے ساتھ ساتھ جب ان کی مزاحیہ تحریر چھپی تو کئی حضرات چونکے۔ ان کے دریافت کرنے پر بتایا گیا کہ مزاحیہ تحریر بھی انہی کے قلم سے ہے اس پر ایک صاحب نے یہ لکھا:۔ "جناب فکر تونسوی کے قلم سے۔۔ یعنی قلم واقعی فکر ہی کا تھا لیکن اس تحریر کے لئے استعمال کسی اور نے کیا۔"

تازہ مطبوعات کا تذکرہ ہوتا تو اس قسم کے فقرے سننے میں آتے:

"اس مجلد پیکٹ کے متعلق فقط یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ ایک کتاب ہے جس کی واحد خوبی یہ ہے کہ کسی نے اسے چھاپ دیا ہے۔ رہ گیا اس کا ادبی پہلو۔ سو کاغذ اچھا خاصا ہے اور قیمت واجبی ہے۔"

یا۔ "مصنف کی کتاب کا پہلا ایڈیشن سچ مچ ایک ہزار جلدوں پر مشتمل ہے۔ کسی کو شبہ ہو تو پبلشر کے گودام میں جا کر خود گن لے۔"

یا۔ "اس مجموعے کے شروع میں یہ نوٹ ضرور ہونا چاہیے کہ جو کچھ مصنف نے اس میں لکھا ہے، اس سے اس کا متفق ہونا ضروری نہیں۔"

اور۔ "سارے ناول میں فقط ایک صفحہ ہے جو قابل آفریں ہے۔ وہ ہے ناول کا اختتام۔ جب پڑھنے والا اطمینان کا سانس لیتا ہے کہ شکر ہے اس سے چھٹکارا ملا۔"

یا پھر۔ "میں نے اس کتاب کو لگاتار پڑھ کر رات کے چار بجے ختم کیا، جس سے یہ بھی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ان دنوں میرے شب و روز کس قدر پھیکے اور بے کیف گزر رہے ہیں۔"

اور۔ "اس شاعر کا مستقبل خاصہ روشن نظر آتا ہے۔ لیکن شاعری میں نہیں، بلکہ ٹھیکیداری، وثیقہ نویسی، دکانداری وغیرہ میں۔۔"

اس پر موزوں جواب بھی دیئے جاتے۔ اکثر تو ایسے ہوتے جو سراسر ناقبل اشاعت تھے۔
ایک جغادری دانشور (پہلی مرتبہ یہ لفظ سنا تو جگادھری لگا) جن کا رویہ کچھ یوں تھا کہ۔۔

"مسودے میں جو کچھ میں نے نہیں پڑھا وہ پسند نہیں تھا۔۔ جو کچھ نظر انداز کیا وہ اچھا نہیں لگا۔ اور بقیہ جس حصے پر نشان لگائے یعنی جسے جوں کا توں رہنے دیا ہے اس سے مطمئن نہیں ہوں۔ چونکہ یہ ایک نئے لکھنے والے کی تحریر ہے اس لئے میں مدیر کو بدظن نہیں کرنا چاہتا۔ اگر وہ چاہے تو بے شک چھاپ لے۔" انہوں نے خود کچھ تخلیق نہیں کیا تھا' مگر ان کی تنقید اور کاٹ 3-DIMENSIONAL تھی۔

نکتہ چینی کرتے وقت وہ لکھنے والے کی پرانی نگارشات پر حملہ آور ہوتے۔ انہیں شکست دے کر اس کی موجودہ تخلیقات کو ڈھا دیتے۔ پھر اس کے مستقبل پر بھی فاتحہ سی پڑھ دی جاتی۔ اگر مصنف احتجاج کرتا کہ جو میری تحریریں وجود ہی میں نہیں آئیں' جنہیں ابھی تک لکھا ہی نہیں' ان میں میں نے غلطیاں کیسے کر دیں تو جواب ملتا۔ "کدی تے کرو۔"

یہ چھوٹا سا فقرہ ہماری سمجھ سے بالا تر تھا۔ چنانچہ ایک وی۔ آئی۔ پی ادیب سے وضاحت چاہی۔

انہوں نے بتایا کہ ریاستوں راجوڑوں میں افراتفری کے زمانے میں کسی عہدے دار نے محض شبہے پر کسی کو پچاس روپے جرمانے کی سزا دی۔ اس زمانے میں پچاس روپے کی قیمت کافی ہوا کرتی تھی۔ وہ فوراً گیا اور پڑوس کے شہر سے چند گواہ لایا جنہوں نے الزام غلط ثابت کر دیا اور حلفیہ بیان دیا کہ واقعے کے وقت یہ شخص یہاں سے سو میل دور ہمارے پاس تھا۔ اس پر جواب ملا کہ "اچھا مان لیا کہ اس نے قصور نہیں کیا۔ اب تم سب جا سکتے ہو۔"

لیکن وہ شخص وہیں کھڑا رہا۔

"تم کیوں کھڑے ہو؟"

"میرے پچاس روپے واپس کئے جائیں۔"

"کیوں؟"

"اس لئے کہ میں نے قصور نہیں کیا۔"

"اورئے کدی تے کرو"۔ کہہ کر عہدے دار نے کیس ڈسمس کر دیا۔
ہفتہ وار پرچوں میں کبھی کبھی چند ادبی شخصیتوں کی پینے پلانے کی محفلوں کا ذکر چھپا کرتا۔

لیکن ان میں کبھی فکر کا نام بطور تماشائی بھی نہیں شامل ہوا۔
فکر کا نظریہ حیات کچھ ایسا رہا کہ:

پانی پی پی کے توبہ کرتا ہوں
پارسائی سی پارسائی ہے

جب شہر کے غل غپاڑے سے جی اچاٹ ہو جاتا تو اپنے آبائی قصبے اور اس کے مضافات کا چکر لگاتے۔ یہ غالباً

نالہ ہائے خانگی دل را تسلی بخش نیست
در بیاباں می تواں فریاد خاطر خواہ کرد

کے سلسلے میں ہوتا ہو گا۔
ویسے رسالے کے دفتر میں شام کی محفلوں کے علاوہ دن بھر لوگ آتے جاتے رہتے لیکن فکر ہر قسم کی گہما گہمی میں بھی اپنے کام میں جٹے رہتے۔ انہیں یہی دھن رہتی کہ رسالے کا میعار اور بلند ہو۔ ذاتی رابطے سے اور لگاتار خط و کتابت کے ذریعے کوشش کرتے کہ ہر نئے شمارے کے لئے اچھے سے اچھے مسودے مل سکیں۔
اچھے مواد کی اہمیت کے سلسلے میں شاید کسی نے اس زمانے کے اطالوی ڈکٹیٹر کا یہ بیان انہیں پڑھا دیا ہو گا۔ مسولینی نے کھلم کھلا اعلان کیا کہ۔۔ "جب مجھے لڑنے کے لئے اٹلی سے صحیح قسم کا مواد ہی نہیں مل رہا تو میں فتوحات کیونکر حاصل کروں؟ سوچئے تو سہی کہ اگر مائیکل اینجلو جیسے عظیم فنکار کو سنگ مرمر نہ مل سکتا تو کیا اس کے شاہکار

مجسّمے ظہور میں آتے؟ اگر اسے محض سادہ گارا ملتا تو وہ ایک اچھا ظروف ساز بن سکتا تھا' بس۔"

فکر صاحب شروع سے میانہ رو رہے' تبھی انہوں نے مدیری کا دور بڑی عمدگی سے نبھا دیا۔ بہت سارے دوست بنائے۔ کئی نئے لکھنے والوں کی حوصلہ افزائی کی۔

ایک صاحب نے جو دفتر میں ان کے ساتھی تھے' کہا کہ ہر متنازعہ اور جھجتی معاملے پر کچھ کہنے سے پہلے فکر صاحب دو تین مرتبہ سوچتے تھے اور پھر کچھ بھی نہیں کہتے تھے۔

موجودہ دور میں کارکردگی کو SCORE میں بیان کرنے کا رواج ہو چلا ہے۔ لہٰذا فکر کی شاعری' ایڈیٹری' مزاح نویسی اور کالم نگاری۔۔ ان سب کو مجموعی طور پر دیکھا جائے تو ان کا سکور 3-6'4-6'4-6'5-6 کے لگ بھگ رہے گا۔

میعاری رسالوں کے مدیروں کی خوب خوشامد کی جاتی۔ عموماً کچھ اس قسم کے فقروں سے۔۔

"آپ تو ہمیشہ صداقت کے علمبردار رہے ہیں اور سب جانتے ہیں کہ خوشامد کو تو آپ قطعاً پسند نہیں کرتے۔"

فکر ایسے جملوں پر یا تو چھینکنے لگتے یا کھانسنا شروع کر دیتے۔

اسی طرح ادبی حلقوں میں عموماً ادبی مبصروں" کا ذکر کیا جاتا کہ۔۔۔ "ایک ادبی مبصر کا کہنا ہے کہ۔۔۔" یا "ابھی ابھی ہمارے ادبی مبصر نے اطلاع دی ہے کہ۔۔"

پوچھنے پر ایک صاف گو ادیب نے بتایا کہ "یہ مبصر جہاں بھی ہوتے ہوں' حوالہ دینے کے لئے نہایت کار آمد ہیں۔۔ ان کے علاوہ۔۔ "معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ۔۔" کی گول مول اضافت بھی خاصی مفید ہے اور۔۔ "ادبی حلقوں میں یہ خبر تیزی سے گشت کر رہی ہے کہ۔۔" کا تو جواب نہیں۔"

جب بھی افواہوں کا تذکرہ شروع ہوتا' فکر صاحب "ابھی آیا" کہہ کر کچھ دیر کے لئے غائب ہو جاتے۔

کبھی فکر صاحب کے بے تکلف دوست اکھٹے ہوتے تو ہلکی پھلکی باتیں ہوتیں۔ مثلاً یہ کہ صحت میں فکر کا حال ہمیشہ ایک سا رہا' یعنی نہ ساون ہرے نہ بھادوں سوکھے۔ شاید اس

لئے ہے کہ نہ انہیں خوش خوراکی کا شوق ہے اور نہ ورزش کا۔
دوسرا بتایا کہ چست رہنے کے لئے انہیں صبح صبح پیدل سیر کرتے ہوئے تو دیکھا گیا ہے' رہ گئی باقاعدہ ورزش' تو یوں لگتا ہے جیسے انہیں کسرت کے فوائد پر شبہات ہوں۔ پھر کسرت پر کوئی ولایت سے نئی نئی آئی ہوئی پختہ عمر MATRON کا قصہ سناتا جو کسی دیسی تہوار پر ہسپتال کے عملے کی خوشیوں میں گرمجوشی سے شامل ہوئی لیکن جب اکھاڑے میں دیسی لنگوٹ کسے ہوئے پہلوانوں کی کشتیاں شروع ہوئیں تو پہلے مقابلے پر گھبرائی۔ دوسرے تیسرے پر ماتھے سے پسینہ پونچھنے لگی۔ آخری کشتی پر تو باقاعدہ غش کھانے کو تیار تھی۔ وجہ پوچھنے پر نہایت معصومیت سے بولی:

TRYING TO PULL DOWN WHATERVER LITTLE THEY HAD ON THEM." "THEY WERE

کسی کو شبہ ہوتا کہ فکر کی کم خوراکی اور کبھی کبھی ٹائی پہننا خصوصاً ادبی تقریبوں میں' کافی پراسرار ہے' اس میں ضرور کوئی راز ہو گا۔ سند کے طور پر حاجی لق لق کا یہ شعر پیش کیا جاتا:

میں کہاں اور مغربی فیشن کہاں
میری NECKTIE میں بھی اک راز ہے

یہ لق لق کی اس مشہور "پولیٹیکل غزل" کا ایک شعر ہے' جو انہوں نے سہراب مودی کی فلم پکار کے ہر دلعزیز گانے ع زندگی کا ساز بھی کیا ساز ہے۔۔ اور انگریز حکمرانوں کی ناپسندیدہ مار دھاڑ سے متاثر ہو کر لکھی تھی۔۔ یا "کہی" تھی۔
غزل کا یہ شعر بہت مقبول ہوا تھا:

اف یہ لاٹھی چارج بھی کیا ساز ہے
بج رہا ہے اور بے آواز ہے

لیکن دوسرا ان کی طرفداری میں کہتا کہ کھانا کھاتے وقت انٹلکچوئل باتیں بھی کرنی پڑیں تو کافی دقت ہوتی ہو گی' کھانے میں بھی اور گفتگو میں بھی۔ تبھی چند سو برس پہلے جاپان میں بادشاہ شوگناتے کے عہد میں یہ دستور تھا کہ ادبی تقریب میں شامل ہونے والے اپنے گھر سے کھانا کھا کر آیا کرتے تاکہ محض دانشورانہ اور نفیس گفتگو پر توجہ دے سکیں۔ اگلے روز اطمینان سے نوش فرمائیں۔

کوئی اس رسم کی تعریف کرتا کہ یہ سلسلہ جاری رہ سکتا تو بہتر ہوتا اور یہ کہ کچھ اتنی دیر بھی نہیں ہوئی کہ اسے دوبارہ شروع نہ کیا جا سکے۔

فکر کی پسند ناپسند پر فقرے کسے جاتے۔ مثلاً یہ کہ جس لفظ کے آخر میں۔۔ IST یا ISM۔۔ ہو اس سے انہیں قطعاً دلچسپی نہیں رہتی۔

چنانچہ وہ فاشزم' مسمریزم' ریڈ ٹیپ ازم' ہپناٹزم' مارکسزم سے بھی اتنا ہی کتراتے جتنا کہ سوشلسٹ' موٹر سائیکلسٹ' امپیریلسٹ' سائی کیٹرسٹ' سائنٹسٹ' انارکسٹ وغیرہ سے۔

ان کی تازہ کتاب فکر نامہ ایک طرح کا ذاتی ریکارڈ ہے۔

جی تو چاہتا ہے کہ اس میں سے بہت سارے چٹکلے نقل کئے جائیں۔ لیکن یوں کیا تو کتاب کا کافی حصہ آؤٹ ہو جائے گا (جیسے کہ امتحان کا پرچہ آؤٹ ہو جاتا ہے) اس لئے محض گنی گنائی چیزیں یہاں درج کی ہیں۔

فکر صاحب لکھتے ہیں کہ:

"جملہ حقوق۔۔ سب کے نام محفوظ۔"

برصغیر میں کاپی رائٹ ایکٹ کی جو درگت ہوئی ہے اس کی اتنی عمدہ تشریح اس سے بہتر انداز میں کرنا مشکل ہے۔

"انتساب۔۔ اپنے نام۔"

انہوں نے کتاب اپنے نام معنون کی ہے۔ اس لئے کہ بغیر اپنے عزم اور اپنی ہمت کے کتاب تو کیا ایک معمولی سا پمفلٹ بھی نہیں لکھا جا سکتا۔

"یعنی جنم ہی سے میرے اور دیوتاؤں کے تعلقات کشیدہ ہو گئے۔۔ اور اب تک کشیدہ ہیں۔"

ظاہر ہے کہ اس قسم کی بدگمانیاں یکطرفہ نہیں عموماً باہمی ہوا کرتی ہیں، خصوصاً جبکہ دوسری پارٹی طاقت ور ہو۔

"بہن بھائیوں میں میرا ساتواں نمبر تھا۔ یعنی والد محترم کے لئے پیدائش صرف ہندسوں تک محدود تھی۔ پانچواں، چھٹا، ساتواں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دیوتاؤں کے ساتھ ساتھ ہندسوں سے بھی میرے تعلقات بگڑ گئے۔ آج تک بگڑے ہوئے ہیں۔"

حالانکہ فکر انگریزی اصطلاح کے مطابق LUCKY SEVEN کے زمرے میں تھے۔

"جب پھاتو نے پوچھا تمہیں شرم نہیں آتی؟

آتی ہے۔۔ میں مسکرایا۔"

ایسے موقعوں پر یہ بالکل صحیح اور مخلص جواب ہے۔

"وہ چند ایک اوصاف حمیدہ کے مالک تھے اور چند ایک اوصاف حمیدہ کے مالک نہیں تھے۔ اس لئے بڑے متوازن انسان تھے۔"

جنہوں نے ریاضی پڑھی ہے وہ اس EQUATION سے دگنا لطف اٹھائیں گے۔

"ہمارے دھوبی نے مرتے دم تک اپنا جنم دن نہیں منایا۔ کیونکہ انہیں عمر بھر پتہ ہی نہ چلا کہ وہ جنم لے چکے ہیں۔"

واقعی ان خطوں میں بے شمار لوگ ایسے ہوں گے جنہیں اپنے ہیپی برتھ ڈے کا نہ تو علم ہے اور اگر ہے بھی تو یہ نہیں جانتے کہ اس روز کیا کیا جاتا ہے۔

کسی کے پیچھے کتا لگاتے وقت۔۔ "میں نے یہ سن کر اپنے کتے سے کہا کہ ان صاحب کو گھر چھوڑ آؤ۔"

شائستگی کا نہایت عمدہ نمونہ ہے۔

"سالہا سال کے تلخ تجربے کے بعد میں مایوس ہو گیا کہ میری بیوی سے کوئی عقلمندی سر زد نہیں ہو سکتی۔"

یہ پڑھ کر امریکی مزاحیہ ایکٹر گراؤ چومارکس یاد آجاتا ہے جس نے بیوی کی اس شکایت پر کہ تم شادی کے بعد سرد مہری برتتے ہو' یہ جواب دیا تھا کہ "تمہیں یاد ہو گا میں نے پہلے ہی بتا دیا تھا کہ شادی شدہ عورتوں سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں۔"

(فکر نامہ مین کنہیالال کپور پر بھی ایک مضمون ہے۔ 1947ء سے پہلے ان سے اکثر ملاقاتیں ہوا کرتیں۔ پھر وہ موگہ چلے گئے اور کئی برس کے بعد اپنے مجموعے "دلیل سحر" کو راقم الحروف کے نام معنون کیا۔ اس مصرع کے ساتھ

میں وہی ہوں مومن مبتلا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

تحریروں اور طبیعت کی بشاشت ان کی نمایاں خوبی تھی۔ زندگی کی ناہمواریوں اور ناکامیوں کو وہ ہمیشہ مسکراہٹ کے لٹھ سے ہانکتے۔ حالات کتنے ہی ناگوار ہوتے ان کے رویے میں فرق نہ آیا جس پر واٹرلو کی جنگ کا وہ انگریز ٹامی یاد آ جاتا جس نے بے شمار لڑائیوں کے فاتح نیپولین کو شکست کھانے کے بعد اپنی پیرس جانے والی بگھی میں بیٹھتے ہوئے دیکھا' تو نعرہ لگایا:

COME ON MARSHAL, YOU CANNOT WIN THEM ALL.

رویت ہے کہ نیپولین نے یہ فقرہ سن کر سمجھ بھی لیا تھا)

فنڈ کے لئے اپیل پر۔۔ "سوست نے اپیل کرتے وقت گیارہ روپے بھی دیئے۔ دیکھتے دیکھتے دوہزار اکٹھے ہو گئے جن میں پچانوے روپے نقد تھے اور باقی کے وعدے تھے۔ ان پچانوے روپوں میں سے تین نوٹ پھٹے ہوئے تھے۔"

ایسے موقعوں پر یہی ہوتاہے۔ آزمائش شرط ہے۔

گیدڑ کو معلوم ہے کہ شہر میں اس کے کھانے اور رہنے کا کوئی بندوبست نہیں اور گائے اگر شہر کا بائیکاٹ کر کے جنگلوں میں سکونت اختیار کر لے تو وہ بھی اتنی ہی خوفناک ہو سکتی ہے جتنا شیر اور بھیڑیا۔"

یعنی ہم نے اپنے مطلب کے لئے جو حیوان پالتو بنا رکھے ہیں ان کی اور جنگل میں مجبوراً رہنے والوں کی پوزیشن کسی وقت VICE VERSA ہو سکتی ہے۔

اور بھی بہت سی پھلجھڑیاں ہیں۔ مثلاً۔

ہماری آبائی جائیداد دو کمروں والا مکان ہے جو ہم نے کرائے پر لے رکھا ہے۔ یا پھر والد محترم کے قبضے میں ایک بہی کھاتا ہے جس میں درج ہے کہ ہمارے خاندان کے پاس ڈیڑھ سو ایکڑ زمین ہے جس پر آج کل ایک دریا بہہ رہا ہے۔ والد محترم گزشتہ گیارہ برس سے اس دریا کے سوکھنے کا انتظار کر رہے ہیں۔"

"برادر موصوف کا رنگ گندمی ہو گیا کیونکہ گندم کھانا شروع کر دیا۔ جوان ہوتے ہی سیاہی مائل ہو گیا۔ پتہ نہیں جوانی میں چوری چھپے اس نے کیا کھانا شروع کر دیا۔ اور جب والد صاحب اسے برا بھلا کہتے تو لمحے بھر کے لئے رنگ پیلا پڑ جاتا۔ گویا وہ بڑا رنگا رنگ آدمی تھا۔"

میرے کرایہ دار کا نام گجانند تھا جو اگرچہ نامعقول نام تھا لیکن وہ منسٹر کا سفارشی خط لے کر آیا تھا۔

"مجھے ایک جیوتشی پنڈت رگھودیال شاستری نے کہا تھا کہ تیری موت کسی اونچی جگہ سے گرنے سے ہو گی۔ اگر ایسا نہ ہوا تو میرے وارثوں کو چاہیے کہ اس جیوتشی کو پکڑ کر کسی اونچی جگہ سے گرا دیں تاکہ اس کا جیوتش اگر میرے حق میں صحیح ثابت نہ ہو تو اس کے حق میں ہی صحیح ثابت ہو جائے۔"

"تم مجھے رشوت دے کر میرا ضمیر خریدنا چاہتے ہو؟" میں نے گرج کر کہا تھا۔ (ان دنوں میں کافی احمق تھا)

"لیکن ڈنڈا بلی کی بجائے دودھ کی کڑھائی کو جا لگا۔ دودھ الٹ گیا۔ نہ بلی کے کام آیا نہ میرے۔ میں اور بلی دونوں بہت دیر تک کف افسوس ملتے رہے۔"

"منی بس کے اڈے پر وہ رش تھا کہ کئی سواریوں کو تو اس دھکا پیل میں یہ بھی یاد نہیں رہا کہ انہیں اترنا ہے یا چڑھنا ہے۔"

پڑھنے والوں کی رائے میں مشرقی معاشرہ پر لکھتے ہوئے فکر صاحب کی نگارش دن بدن نکھرتی جا رہی ہے لیکن اتفاق سے مشرقی معاشرے اسی رفتار سے بے تکا ہوتا جا رہا ہے۔

یعنی میزان تقریباً برابر برابر ہے۔

کوئی قنوطی یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ اس موضوع پر جوں جوں ان کی تحریریں بہتر ہوتی جائیں گی۔ شاید معاشرے کے حالات اور بھی ہونق ہوتے جائیں گے۔ لیکن اس میں فکر کا کوئی قصور نہیں ہو گا۔

کہنے کو تو یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ فکر کا پرانے مدرسہ فکر سے تعلق ہے' کیونکہ وہ اس صدی کے پہلے ربع میں پیدا ہوئے لیکن وہ FIFTIES کی نسل میں بھی شامل رہے ہیں۔ اس لئے ان کی شاعری اور نثر کے عمدہ حصے صدی کے وسط میں بھی چھپے۔ اور فکر نامہ چونکہ ابھی شائع ہوا ہے اس لئے ان کا عہد جدید سے بھی پورا واسطہ ہے۔

مضمون یہاں تک پہنچا تھا کہ ایک دوست نے ٹوکا کہ یہ کافی طویل ہو گیا ہے۔ ساتھ ہی بتایا کہ لکھنے والے کو اپنی خامیوں کا اعتراف نہیں کرنا چاہیے۔ اور یہ بھی کہ ایسا مضمون فن تعارف نویسی کو برسوں پیچھے لے جا سکتا ہے' یا پھر کسی اور سمت میں۔

○○○

• عکسِ تقدیر

(واضح رہے کہ یہ مفید باتیں محض قیاس پر مبنی نہیں بلکہ ہمارے ماہرین نے اپنے قیمتی تجربے اور تحقیقات سے اخذ کی ہیں)

○ حالاتِ سیارگان

بادشاہ سال شمس مالک فلک چہارم حاکم اقلیم خراساں ہے۔ مہینے کا راجہ قمر یعنی چندر مان مالک فلک اول قرار دیا گیا ہے اور دسویں استھان میں پڑا ہے۔۔ برچھک راس والوں کا ستارہ مریخ ہے جس کا پایہ زحل ہے اور برج اسد جو منقلب برج ہے۔ غالباً تلاراس اور برکھ راس والوں کا بھی یہی ستارہ ہے اور شاید کنیا راس اور متھن راس والوں پر بھی اس کا اثر پڑ سکتا ہے۔ (البتہ دھن راس اور مکرر راس والوں کی اور بات ہے)۔

○ اس مہینے میں پیدا ہونے والوں کی خصوصیات

جو اس مہینے میں پیدا ہوئے ہیں ان میں بے شمار خوبیاں ہوتی ہیں۔ یہ لوگ حسن کے شیدائی اور لذیذ غذاؤں کے دلدادہ ہوتے ہیں۔ خصوصاً شیریں اور مرغن اشیاء سے ذوق کامل ہوتا ہے۔ (لہٰذا خوش خوراکی سے امراض شکم میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور وزن بڑھ جاتا ہے۔
اول الذکر خوبی کی وجہ سے اوائل عمر میں خواہ مخواہ شادی کرا بیٹھتے ہیں)۔
خوش پوشاک ہوتے ہیں۔ (لیکن ایک مرتبہ موٹے ہو جائیں تو جو لباس بھی پہنیں DRESS FANCY معلوم ہوتا ہے)۔
فطرتاً شرمیلے ہوتے ہیں، یعنی ذہنی برتری اور قوت بازو کا احساس انہیں ہر وقت رہتا ہے۔

لیکن ان دونوں خوبیوں کا عملی مظاہرہ کرنے سے ہچکچاتے رہتے ہیں۔

حساس بھی ہوتے ہیں۔ کھیل کود یا تعلیم میں جو کوئی ان سے مقابلہ کرے اس سے خفا ہو جاتے ہیں اور اس کی جسارت کو کبھی معاف نہیں کرتے)۔

چونکہ مشتری سیارہ وسط ماہ کو ان کے زائچے میں آٹھویں گھر بحالت رجعت براجمان ہے اس لئے قدرے (بلکہ اچھے خاصے) وہمی بھی ہوتے ہیں۔ لہٰذا پیری مریدی کا چسکا بھی ہوتا ہے۔

ان میں قوت برداشت ہوتی ہے (لیکن اس قوت کو استعمال بہت کم کرتے ہیں) کٹھن سے کٹھن حالات میں بھی بے تکی خوش فہمی اور امید پرستی کا دامن نہیں چھوڑتے۔ (اور ہاتھ پاؤں قطعاً نہیں ہلاتے)۔

بلاوجہ دولت مل جانے پر دیقین رکھتے ہیں۔ (تبھی لاٹری، پیروں کی کرامات، سٹہ، گھڑ دوڑ اور انعامی معموں پر کامل اعتقاد ہوتا ہے) جب کامیابی نہیں ہوتی تو تقدیر کو برا بھلا (زیادہ برا) کہتے ہیں۔

جہاں فراخ دلی کا اکثر مظاہرہ کرتے ہیں اور اپنے تفکرات اور پریشانیاں دوسروں پر نچھاور کرتے رہتے ہیں۔ وہاں کفایت شعاری سے بھی کام لیتے ہیں اور شگفتہ اور خوش کرنے والی باتیں بحفاظت اپنے پاس چھپائے رکھتے ہیں۔ اسی طرح عزیزوں، دوستوں کی تعریف کرتے وقت بھی کفایت برتتے ہیں۔ (اور اگر کسی اچھے کو مجبوراً اچھا کہنا پڑ جائے تو آخر میں "مگر" یا "لیکن" لگا کر محض دو تین فقروں سے کئے کرائے پر پانی پھیر دیتے ہیں)۔

طبیعت میں بلا کی سادگی ہوتی ہے۔ مثلاً گیہوں کو خوب پسواتے ہیں۔ پھر چھان چھان کر اپنے لئے باریک ترین حصے کو گندھوا کر روٹیاں پکواتے ہیں اور بقیہ حصہ جانوروں کو ملتا ہے۔ اسی طرح چاول ابال کر "پیچ" علیحدہ کروا دیتے ہیں۔ چنانچہ VITAMIN-B گھوڑوں، گائیوں، بلیوں وغیرہ کو ملتا ہے۔ ساتھ ساتھ کھانے کی ہر چیز کو خوب بھون کر یا اچھی طرح تل کر باقی ماندہ وٹامنز کو ٹھکانے لگا دیا جاتا ہے اور خود سال بھر بازار

سے وٹامنز کی گولیاں اور ٹیکے خریدتے رہتے ہیں۔ (اگر ڈاکٹر وٹامنز کا ٹیکہ تجویز نہ کرے تو برا مان جاتے ہیں کہ اس نے ٹرخا دیا ہے)۔

انہیں موسیقی سے خاص رغبت ہوتی ہے اور ریڈیو سیلون سے فلمی گانے باقاعدگی سے سنتے ہیں۔ دیگر فنون لطیفہ کا شغف نہیں بار بار فلمیں دیکھنے اور فلمی رسالے پڑھنے پر مجبور کرتا ہے۔

ان میں تجسس کا مادہ بہت پایا جاتا ہے۔ (لٰہذا پڑوسیوں اور دوسروں کے بارے میں تازہ ترین اور قدیم ترین معلومات فراہم کرنے کی لگن رہتی ہے)۔

خوش خوراکی، آرام طلبی، ورزش کی کمی اور خود ساختہ فکروں سے جہاں لڑکپن میں اپنے آپ کو جوان محسوس کرنے لگتے ہیں وہاں جوانی میں ادھیڑ عمر کے ہو جاتے ہیں اور ادھیڑ عمر میں بوڑھے۔ (ادھیڑ عمر کی پہلی نشانی یہ ہے کہ سر کے کھچڑی بال بالکل سیاہ ہونے شروع ہو جاتے ہیں)۔

یہ حصول علم میں بڑی سرگرمی دکھاتے ہیں۔ (لیکن فقط فائنل امتحانوں تک)۔ تعلیم سے فارغ ہو چکنے یا ملازمت مل جانے کے بعد علم کے پاس بہت کم پھٹکتے ہیں۔ (اگرچہ کچھ لوگ محض TIME اور ریڈرز ڈائجسٹ جیسے رسالوں کو پڑھ کر یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ وہ ہر موضوع پر سب کچھ جانتے ہیں)۔

انہیں ماضی کا بڑا خیال رہتا ہے۔ چنانچہ بھولے بسرے دنوں کی یاد میں اکثر کھوئے رہتے ہیں۔ (خصوصاً شعراء)۔

طبیعت میں بھولپن ہوتا ہے۔ تبھی ان میں سے کچھ لوگ جہاں دھوم دھڑلے سے عبادت کرتے ہیں وہاں تھوڑی بہت دل آزاری، کچھ چغل خوری اور قدرے غلط بیانی کا شغل بھی کر لیتے ہیں۔ (جیسے کہ اکاؤنٹینٹ "ڈبل ENTRY سسٹم" کے تحت آمدنی اور خرچ دونوں صفحوں پر دوبارہ دکھاتا ہے۔ یہ بھی شاید اسی فارمولے پر عمل کرتے ہوں کہ ثواب کی اور الٹی سیدھی حرکتوں کی ڈبل انٹری میں میزان کا جھکاؤ PLUS کی طرف رہے تو خیر ہے)۔

دھن کے پکے ہوتے ہیں۔ یعنی خط ڈالنا ہو تو نگاہیں سیدھی لیٹر بکس پر ہوتی ہیں' سڑک پر دہنے بائیں موٹروں' لاریوں کو بالکل نہیں دیکھتے۔

باہمت بھی ہوتے ہیں اور ان میں غم اور فکر برداشت کرنے کا حوصلہ ہوتا ہے۔ (یعنی کسی اور پر مسلط غم اور فکر کو برداشت کرنے کا)۔

ویسے یہ سادہ لوح ہوتے ہیں۔ ذرا سی بات پر خواہ مخواہ خوش ہو جاتے ہیں۔ اتنی سی بات پر ناحق غمگین ہو جاتے ہیں۔ (چنانچہ ذرا ذرا سی دیر کے بعد موڈ بدلتا رہتا ہے)۔ سادہ لوحی کی ایک اور مثال یہ ہے کہ بری خبر آنے پر اسے مٹھائی کھلاتے ہیں۔

نہایت ذہین ہوتے ہیں اور طرح کے جدت آمیز منصوبے باندھتے رہتے ہیں۔ (خصوصاً دوسروں کے لئے تو نہایت ہی عمدہ اور اعلیٰ منصوبے تیار کر سکتے ہیں)

- دیگر خصوصیات

ان کا قد پانچ فٹ سے چھ فٹ تک ہوتا ہے۔ (یعنی جب سیدھے کھڑے ہوئے ہوں تب) رنگ سفید' گندمی یا مشکی۔ وزن ایک من سے تین من پختہ تک جسمانی لحاظ سے یا تو خوب موٹے تازے ہوتے ہیں یا بالکل دبلے پتلے۔

مبارک پھول .... گوبھی کا پھول

مبارک دن .... چھٹی کا دن

مبارک ہفتہ....... چھٹی کا ہفتہ

مبارک وقت....... ناشتے' لنچ اور ڈنر کا وقت

مبارک نگ....... یاقوت۔ زمرد' نیلم' فیروزہ اور دوسرے قیمتی سنگریزے۔ (اگرچہ خریدنے کی توفیق ہو تب' ورنہ نہیں)

شادی خانہ آبادی....... جن کا نام یے سے شروع ہوتا ہے ان کی شادی ان لڑکیوں سے مبارک ثابت ہو گی جن کا نام الف سے شروع ہوتا ہے۔ (اگر بزرگ رضا مند ہوئے

تب) ب والیوں کی شادی چھوٹی پے والوں سے سعید رہے گی۔ (اگر بزرگ رضا مند ہوئے تب) بقیہ ناموں والے اسی فارمولے۔ (بزرگوں کی رضامندگی) کے مطابق حساب لگا لیں۔

ویسے شادیاں سب کی ہو جائیں' یہاں تک کہ بہت سوں کی تو دو دو تین تین مرتبہ ہوں گی۔

دانشوروں اور۔۔

PSEUDO- ANTELLECTUAL
خواتین و حضرات کو بھی اس سلسلے میں خوشخبریاں ملیں گی۔

○ یہ مہینہ کیسا ہے؟

اس مہینے میں شمس' مشتری' اور مریخ اور دیگر سیارگان خیریت سے ہیں' سوائے چندرمان کے جس پر راکٹ' آدمی اور جانور وغیرہ بھیجے جاتے ہیں۔ لہٰذا شائقین کسی عجیب و غریب پیشین گوئی یا سنسنی خیز انکشاف سے قطعاً محروم رہیں گے۔

اس مہینے میں سورج علی الصبح طلوع ہو کر مغرب کے وقت غروب ہو گا۔ پہاڑی علاقوں میں خنکی اور صحرائی خطوں میں تمازت رہے گی۔ حسب معمول کہیں کہیں بارش پے چھینٹے پڑیں گے۔

عاشق ہونے' آپریشن کرانے' شادی کرنے اور دیگر جرات اور بہادری کے اقدامات کے لئے یہ بہترین مہینہ ہے۔ فلم شازی کے لئے بھی موزوں ہے۔ (فلم خواہ کتنی ہی اوٹ پٹانگ کیوں نہ ہو' لیکن سہ پہر اور شام کو نہ تو لوگ ورزش کرتے ہیں نہ GAMES میں حصہ لیتے ہیں۔ اس لئے لاتعداد تماش بین سینما دیکھنے پہنچ جائیں گے)

فلم ایکٹروں اور ایکٹرسوں کو بھی یہ ماہ راس آئے گا۔ ان کی صحت اور بھی بہتر ہو جائے گی اور وزن میں تین چار سیر کا مزید اضافہ ہو گا۔ البتہ تماش بینوں کو بند سینما ہال میں بار بار ڈھائی گھنٹے بیٹھے رہنے سے امراض بلغمی لاحق ہو جانے کا اندیشہ ہے۔

گمشدہ بخیریت واپس پہنچ جائیں گے۔ (روپے ختم ہو جانے پر) صنف نازک سے (حسب معمول) دلچسپی برقرار رہے گی۔ لوگ تعمیری کاموں میں جوش و خروش سے حصہ لیں گے۔

(اور نئے نئے ڈیزائن کے مکان تعمیر کر کے نہایت اچھے کرائے حاصل کریں گے)

کچھ لوگ اپنے قیمتی راز دوسروں کو بتا کر یہ توقع رکھیں گے کہ وہ راز محفوظ رہیں گے۔ (یہ جانتے ہوئے بھی کہ جو کچھ وہ خود نہیں سنبھال سکے اسے دوسرے کیوں کر سنبھالیں گے' اور یہ کہ دوستوں کے اور بھی دوست ہوتے ہیں)

کئی اچھے لوگوں سے تعلقات پیدا ہوں گے۔ (اگر ان سے خلوص سے ملے اور کوئی مطلب نہ ہوا تب)

مال مویشی کی تجارت نفع بخش ثابت ہو گی۔ (خصوصاً گائے بھینسوں کی۔۔ پانی میں جن کا ملا ہوا رقیق دودھ سب کو مرغوب ہے)

کسی قسم کے تنازعے سے (جو بالکل بے معنی ہو گا) طبیعت چند دنوں گری گری سی رہے گی۔

اولاد کی طرف سے (چند گھنٹوں کے لئے) سکھ اور چین نصیب ہونے کا امکان ہے۔ کوئی دلی مقصد پورا ہو گا۔ (اگر اس کے حصول کے لئے محنت کی تب)

کبھی کبھی خوش کن خواب نظر آئیں گے۔ (اگر شام کو اچھی طرح ورزش کی تو) کوئی نیا کام خود کرنا نفع بخش ثابت ہو گا۔ لیکن وہی کام دوسروں کی شرکت سے کیا تو پتہ نہیں' نفع ہو گا یا نقصان۔

چند (خود ساختہ) الجھنوں کی وجہ سے ادھر ادھر (زیادہ ادھر) جانا پڑے گا۔ جہاں BUS کے سفر سے اختلاج قلب اور اعصابی شکایات ہوں گی وہاں ٹرین کی DINNING CAR اور سٹیشن کے آس پاس کے ہوٹلوں سے کھانے کے بعد پیچیدہ امراض کا اندیشہ رہے گا۔

دیگر مہینوں کی طرح اس ماہ میں بھی کچھ لوگ سچ بولنے کی جدو جہد میں تھوڑی بہت حاشیہ آرائی ضرور کریں گے۔ (یہ جانتے ہوئے بھی کہ مکمل طور پر سچ بولنے کا سب

سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ جو کچھ کہا ہو وہ یاد نہیں رکھنا پڑتا)
کچھ لوگ خواہ مخواہ جوش میں آکر بیاہ شادیوں پر بے تحاشہ خرچ کر بیٹھیں گے۔ اور بعد میں جب زحل کے قریب عطارد اور مریخ کا اجتماع ہو گا تو دل کھول کر پچھتائیں گے۔ (وہ لوگ)
کچھ پرفیسر' پی ایچ ڈی اور نقاد' آپس میں اور بھی بدگمان ہو جائیں گے۔ جس سے نوے نوے صفحے کے لاتعداد مقالے چھپیں گے۔ (جنہیں کوئی بھی نہیں پڑھے گا)
اہل قلم کے حالات حسب معمول خستہ رہیں گے۔ لیکن وکیل' ٹھیکدار اور پبلشر ہمیشہ کی طرح نفع میں رہیں گے۔
زحل اور تنقید نگاروں کا باہمی فاصلہ بڑھا تو سب کو فائدہ پہنچے گا (غالباً نقادوں سے زیادہ زحل مستفیض ہو گا)
چند آسودہ حال پبلشرز (پچھلے مہینوں کی طرح) کاپی رائٹ ایکٹ کو نظر انداز کریں گے اور ایکٹ میں دی ہوئی دس سال کی میعاد تو ایک طرف رہی' بیس پچیس برس کے بعد بھی مصنف کی کتابیں چھاپتے رہنے کے بعد جملہ حقوق اسے واپس کرنے سے بدستور گریز کریں گے۔ (شاید وہ یہ سب کچھ اس لئے کریں کہ اپنے عزیز مصنف کو روپے پیسے کے لالچ سے محفوظ رکھ سکیں تاکہ مصنف یک جہتی سے ادب کی خدمت کر سکے)
کوئی مہربان نقصان پہنچانے کی کوشش کرے گا لیکن پھر یکایک آپ کو چھوڑ کر کسی عطارد سیارے والے کے پیچھے لگ جائے گا۔
اگر اپنے آپ کو صبر و ضبط کی حدود کے اندر پابند نہ رکھا تو بیوی کے عزیزوں سے کشیدگی کے امکانات روشن ہیں۔
مچھروں کو دور نہ رکھا تو کسی شدید پریشانی کا سامنا ہو گا۔ (آپ کو)
بعض اوقات (غالباً ورزش کی کمی سے) اپنے کام سے جی اچاٹ ہونے لگے گا۔ پھر عزیزوں دوستوں سے' اور آخر میں اپنے آپ سے جی اچاٹ ہو گا۔ (لیکن اس میں سیارگان کا کوئی قصور نہیں ہو گا)

کوئی شخص دم دلاسہ دے کر (پچھلے مہینے کی طرح) روپے اینٹھنے میں کامیاب ہو جائے گا۔ اس مہینے یہ عجیب بات ہو گی کہ مٹی میں ہاتھ ڈالا تو مٹی ہی رہے گی' اور سونے

میں ہاتھ ڈالا تو سونا ہی رہے گا۔

کبھی کبھی دشمنوں کا خوف لگا رہے گا۔ ادھر دشمن آپ سے خطرہ محسوس کریں گے۔ چنانچہ اس طرح فریقین کا کافی وقت ضائع ہو گا۔

اندرون خانہ کچھ پریشانی رہے گی۔ (اگر بیرون خانہ کچھ پریشانی رہی تب)

طفلان خورد سال و مستورات کو (حسب معمول) پراسرار دردوں کی شکایت رہے گی۔ خاوندوں کے مقابلے میں بیویاں نسبتاً لمبی عمریں پائیں گی۔ (شاید اس لئے کہ عورتوں کی بیویاں نہیں ہوتیں)

حیوانوں پر (خصوصاً تانگے کے گھوڑوں پر) ظلم و ستم ڈھائے جائیں گے۔

بنتے ہوئے کام کے لئے فالتو مدد چاہی تو رکاوٹیں پیدا ہوں گی۔ سفارشوں کا نتیجہ خاطر خواہ نہیں نکلے گا۔ (متعلقہ "بڑے آدمی" حسب معمول ٹالنے کی کوشش کریں گے)

قرض دار کا قرض ادا نہیں ہو گا اور نہ ہی قرض خواہ مقروض سے کچھ وصول کر سکے گا۔ (آپس میں ناخوشگوار باتیں البتہ ضرور ہوں گی)

بچے کافی تعداد میں پیدا ہوں گے جن میں تقریباً نصف لڑکے ہوں گے اور نصف لڑکیاں۔ (لیکن پبلک کو یہی شبہ رہے گا کہ لڑکیاں زیادہ پیدا ہو رہی ہیں)

دفتر میں کام کرنے والوں کو (سگریٹ نوشی' چاء کے لگاتار استعمال اور غذا میں گرم مصالحے اور تیز مرچوں سے) تبخیر کی شکایت رہے گی۔ اور جن کو یہ معلوم ہے کہ خون کا دباؤ کیا ہوتا ہے۔ ان کے خون کا دباؤ بڑھ سکتا ہے۔

گھریلو حالات میں پریشانیوں کے سبب طبع نازک میں چند دنوں غیظ و غضب رہے گا۔ (جس سے کوئی متاثر نہ ہو گا' بلکہ الٹا سب ہنسیں گے)

جن لوگوں نے گزشتہ ماہ والی حرکات کیں ان کے حالات گزشتہ ماہ والے رہیں گے

○ چند ہدایات

کبھی کبھی مسکرانے کی کوشش ضرور کریں۔ موڈ خواہ کیسا ہی ہو مسکراہٹ سے چہرہ بہتر معلوم ہو گا۔ (مشقوں کے لئے ترکیب استعمال۔۔ اپنے ہونٹوں کے کونوں کو افقی سمت میں باہر کی طرف کھینچیے)

دوسروں کو صحیح رائے دیتے وقت محتاط رہنا چاہیے۔ چونکہ ایسی رائے ان کی مرضی کے خلاف ہو گی اس لئے وہ فوراً خفا ہو جائیں گے

دور کے رشتہ داروں سے دور رہنا خوشگوار ہو سکتا ہے۔ جس قدر دور رہ سکیں' بہتر ہو گا۔

مار آستینیں قسم کے لوگوں سے بچ کر رہیں بلکہ احتیاطاً دن میں تین چار مرتبہ آستینیں

جھاڑ لیا کریں

سکوٹر سوار سکوٹر سے محتاط رہیں اور پبلک سکوٹر سواروں سے خبردار رہے

کم از کم تاش کے ذریعے جوا نہ کھیلیں۔ آپ ہار گئے تو چڑ کو دوسرے کھیلنے والوں سے لڑیں گے۔ جیت گئے تو وہ چڑ جائیں گے اور آپ سے لڑیں گے۔

بس میں سفر کرتے وقت ایک ایک منٹ چوکنے رہیں' اور کھڑکی سے باہر کودنے کے لئے بالکل تیار رہیں۔ (اگرچہ بسوں پر حد رفتار چالیس یا پینتالیس میل جلی حروف میں لکھی ہوتی ہے لیکن سب جانتے ہیں کہ یہ طفل تسلیاں ہیں)

دار چینی میں شہد ملا کر چٹانے سے ہچکی بند ہو سکتی ہے۔

○ کاروباری زائچہ

ماہرین کا کہنا ہے کہ برج اسد میں جب شمس و مریخ کا اجتماع ہوتا ہے تو سوداگروں

کی طبیعت خوش رہتی ہے اور مارکیٹ کا بھاؤ دونوں طرف چلتا ہے۔ گڑ' تارا میرا' گھاس اور باجرہ ارزاں ہوتے ہیں اور زعفران' مشک نافہ' الومینیم' جواہرات اور ہاتھی دانت کے بھاؤ اونچے چلے جاتے ہیں۔۔ بہرحال بزنس والوں کو فائدہ ہی فائدہ ہے۔

اس مہینے کی گرہ چال کے مطابق گیہوں' مونگ' مسور' جو اور سفید اشیاء۔۔ گھی' دودھ' چینی' روئی' دہی اور سوت وغیرہ کے بھاؤ کچھ لوگوں کو سستے معلوم ہوں گے۔ ہو سکتا ہے کہ پسی ہوئی مرچیں سالم مرچوں کے مقابلے میں ارزاں بکیں۔

گھاس کی افراط سے چوپاتیوں کی صحت قابل رشک رہے گی۔ (لیکن پانی میں دودھ کی آمیزش سے خبردار رہنا ضروری ہے)

گندم نما جو فرشوں سے دور رہیں۔ (بلکہ جو نما گندم فروشوں سے بھی میل جول نہ رکھیں)

شادی کرنے والوں کو سونے چاندی کے نرخ کبھی مہنگے معلوم ہوں گے' کبھی سستے۔ مہینے کے شروع میں اگرچہ سیارگان کاروباری لحاظ سے کچھ زیادہ سعید نہیں ہوں گے۔ پھر بھی ملازمت پیشہ لوگوں کو بازار کی ہر چیز سستی معلوم ہو گی۔ دوسرے ہفتے میں سیارگان سعید ہو کر بھاؤ کم کرا دیں گے۔ لیکن تب تک یہ لوگ بازار جانا چھوڑ چکے ہوں گے' حتیٰ کہ مہینے کے آخری ہفتے میں تو معمولی اشیاء (مثلاً گڑ' چارہ اور تارا میرا) خریدنے سے بھی معذور ہوں گے۔

○ نوٹ:

1۔ خوش قسمتی سے ہمارے ماہرین نے فقط مہینے ہی کا ذکر کیا ہے۔ متعلقین کے سنہ پیدائش پر زور نہیں ڈالا۔ چنانچہ یہ پیشین گوئی اور ہدایتیں ایک دو برس کے بچوں کے لئے بھی اتنی ہی اہم ہونی چاہئیں جتنی کہ ستر اسی برس والوں کے لئے۔ خواتین و حضرات دونوں پر ان کا اطلاق یکساں ہو سکتا ہے۔

2۔ ماہرین نے جغرافیائی تقسیم کو بھی نظر انداز کیا ہے۔ غالباً اس لئے کہ آسمان کے

تارے دنیا کے سارے ملکوں سے دکھائی دیتے ہیں۔ لہٰذا یہ پیشین گوئی اور ہدایات جہاں جاپانیوں پر عائد ہونی چاہئیں وہاں بدو اور اسکیمو بھی اس کی زد میں ہیں۔ افریقہ کے باشندے اور یورپ کے لوگ بھی۔

3۔ کائنات میں لاتعداد سیارگان ہیں' لیکن اتفاق سے ہم مجبور و فانی انسانوں پر فقط ان چند سیاروں کا اثر پڑ سکتا ہے' جن کے ہم نے نام رکھے ہوئے ہیں۔ قمر' مریخ' زہرہ' عطارد' مشتری اور زحل۔ (یوں تو کرہ ارض بھی سیارہ ہے اور ہم نے اس کا نام بھی رکھا ہوا ہے' لیکن چونکہ ہم اس پر آباد ہیں اس لئے اسے کوئی اہمیت نہیں دیتے' نہ تقدیر پر اس کا کوئی اثر قبول کرتے ہیں)

ان کے علاوہ URANUS اور NEPTUNE۔PLUTO بھی ہمارے محبوب سیاروں کی برادری میں کچھ عرصے سے شامل ہو چکے ہیں۔ لیکن بد قسمتی سے ابھی تک ان کا اردو میں ترجمہ نہیں ہوا۔ یہ ہماری زندگیوں پر اثر انداز تو ہونے لگے ہیں لیکن پورے زور و شور سے نہیں۔ یہ تینوں سیارے مترجم کی راہ تک رہے ہیں اور اردو نام پاتے ہی فوراً انہماک سے کام شروع کر دیں گے۔

4۔ ستارے فقط رات کو چمکتے ہیں اور ان کا اثر ہم پر دن کے وقت پڑتا ہے۔

○○○

- ## کام چور بھوت

میرا دوست اور میں تقریباً رات کے نو بجے گاؤں کے قریب پہنچے۔ میرے ایک ہاتھ میں لاٹھی تھی، دوسرے میں لالٹین۔ میرے دوست نے بھی لاٹھی تھام رکھی تھی۔ اس کے دوسرے ہاتھ میں مونگ پھلیوں اور اخروٹوں والے گڑ کی پوٹلی تھی۔

ہمارے ذمے وہ کام تھے۔ پڑوس کے گاؤں کے نمبردار صاحب کو گڑ کا تحفہ پیش کر کے انہیں بتائیں کہ ان کا بھیجا ہوا مالی بیمار ہے۔ اگر وہ دوسرا مالی بھیجیں تو اسے ساتھ لے آئیں۔

ہم اپنے گاؤں سے دوپہر کو چلے تھے لیکن راستے میں میلہ لگا ہوا تھا۔ شام تک وہاں رہے۔ سورج غروب ہونے پر اچانک یاد آیا کہ ابھی چار پانچ میل کا سفر باقی ہے۔ چنانچہ ایک واقف دکاندار سے لالٹین کرائے پر لے کر روانہ ہوئے۔

گاؤں سے سو ڈیڑھ سو گز ادھر ہی ہمیں کتوں کے لشکر نے گھیر لیا۔ ہمارا خیال تھا کہ لالٹین مدد دے گی اور اس کی روشنی میں کتوں کی اچھی طرح خبر لے سکیں گے لیکن روشنی میں کتے خوب نشانہ باندھ کر حملہ کر رہے تھے۔ یکایک میرے دوست کا لٹھ لالٹین پر پڑا۔ اندھیرا ہوتے ہی افراتفری مچ گئی۔ اتفاق سے میں نے ایک کتے کی دم پر پاؤں رکھ دیا۔ اس نے نعرہ لگایا۔ دوسرے کتوں نے اس کا ساتھ دیا۔

ہم دونوں ایسے سرپٹ بھاگے کہ منٹوں میں گاؤں پہنچ گئے۔

دیکھا کہ چوپال میں لوگ بیٹھے حقہ پی رہے ہیں۔

"وہ دیکھو شکاری صاحب کوئی کہانی سنا رہے ہیں۔" میرا دوست بولا۔

شکاری صاحب بڑے دلچسپ انسان تھے۔ ان کے قصے ایسے ہوتے کہ ان پر کچھ یقین آتا کچھ نہ آتا۔ بڑے بوڑھے تو مسکراتے رہتے لیکن لڑکوں کو جو ان سے نوک جھونک بھی کرتے، ان کی باتیں پسند تھیں۔ خصوصاً جس طرح وہ اپنی کہانی کے اختتام کو یکدم

مروڑتے۔
معلوم ہوا کہ وہ کسی بھوت کا قصہ شروع کرنے والے ہیں۔ حاضرین میں زیادہ تعداد نوجوانوں کی تھی جو انہیں لگاتار ٹوک رہے تھے۔ اس لئے موضوع بھی بار بار بدل جاتا۔

ہم نے ان سے طرح طرح کے قصے سنے تھے لیکن بھوتوں کا ذکر آج پہلی مرتبہ ہو رہا تھا۔
کافی دیر ہو چکی تھی۔ میں نے اپنے دوست سے کہا کہ ہمیں پیدل چل کر واپس اپنے گاؤں بھی پہنچنا ہے اس لئے فوراً نمبردار صاحب کو گڑ دے کر اور مالی کے متعلق پوچھ کر سیدھے واپس چلیں۔ لیکن وہ بولا۔ "کچھ بھی ہو آج تو شکاری صاحب کے بھوت کی کہانی ضرور سنیں گے۔
ہم ایک کونے میں بیٹھ گئے۔
وہ ایک شخص کا قصہ سنا رہے تھے جو ہر روز مسجد میں صبح کی نماز پر غیر حاضر ہوتا' لیکن بقیہ چاروں نمازوں کے وقت باقاعدگی سے پہنچتا۔ لوگ وجہ پوچھتے تو وہ ٹال مٹول کر جاتا۔ آخر جب گاؤں والوں نے بہت مجبور کیا تو اس نے بتایا کہ جب وہ نماز کے لئے صبح سویرے گھر سے نکلتا ہے تو ایک بھیانک سی کالی شبیہ اس کا راستہ روک لیتی ہے۔ اس طرح کہ ڈر کر اسے واپس آنا پڑتا ہے۔ یہ سن کر لوگ مذاق اڑانے لگے کہ کیسا ڈرپوک انسان ہے۔ پھر کسی بزرگ نے مشورہ دیا کہ اگر اس پر اسرار چیز پر قابو پانا چاہتے ہو تو علی الصبح اپنے دونوں ہاتھوں پر سیاہی مل کر نکلو۔ جونہی وہ سایہ سامنے آئے ہمت کر کے سیاہی اس کے منہ پر مل دو۔ اس پر تو وہ اور بھی ڈرا لیکن بزرگ نے ہمت بندھائی' اور چارو ناچار وہ تیار ہو گیا۔
اگلی صبح نمازی کیا دیکھتے ہیں کہ وہ شخص ہنستا ہوا چلا آرہا ہے۔ مسجد میں پہنچتے ہی بڑے فخر سے بولا۔ "بھائیو! آج میں نے اس شبیہہ کے منہ پر سیاہی مل دی۔"
لیکن لوگوں نے دیکھا کہ ساری کالک خود اس کے چہرے پر لگی ہوئی ہے۔ دراصل وہ اپنے وہم سے خوف زدہ تھا۔ نہ کوئی سایہ تھا نہ شبیہہ تھی۔ یہ نرا وہمہ تھا جس سے

وہ ڈرا کرتا۔

انہوں نے حقے کے کئی کش لگائے اور اپنی سفید مونچھوں کو تاؤ دینے لگے۔

میں نے اپنے دوست کو پھر یاد دلایا کہ اگر ہم فوراً نمبردار صاحب سے مل کر واپس روانہ نہ ہوئے تو گھر والے بہت خفا ہوں گے مگر وہ نہ مانا۔

"آپ کچھ اپنے متعلق بتایئے۔" ایک نوجوان نے کہا۔

"میں نہایت ہی کم عمر میں پیدا ہوا۔ ابھی چھوٹا سا تھا کہ یتیم ہونا پڑا۔ اور اتنی تگ و دو، قسم قسم کے تجربوں، محنت مشقت کے باوجود اب تک یتیم ہوں۔"

"آپ کا ذریعہ معاش کیا رہا ہے؟"

"کیا کہا؟ ذریعہ بدمعاش؟" انہوں نے ڈانٹ کر پوچھا۔

"جی نہیں ذریعہ معاش۔۔ یعنی روزی کے سلسلے میں کیا کچھ کرتے رہے ہیں؟"

"پہلے ریاستی پولیس میں ملازم رہا۔ پھر بطور شکاری کئی ریاستوں راجواڑوں میں نوکری کی، اب شکار کے علاوہ کھیتی باڑی کا شغل ہے۔"

"اتنی نوکریوں کے بعد تو آپ کو مزے سے آرام کرنا چاہیے تھا۔"

"اتفاق سے میں شروع ہی سے فضول خرچ رہا ہوں۔ تنخواہ کا بیشتر حصہ پراویڈنٹ فنڈ کی نذر ہو جاتا"۔

"اور باقی کا۔۔؟"

"اسے بینک کے سیونگ اکاؤنٹ میں پھونک دیا کرتا۔"

"بھلا آپ بیچارے جانوروں کے پیچھے کیوں مارے مارے پھرتے ہیں؟ کیا شکار کے بغیر گزارہ نہیں ہو سکتا؟"۔ ایک طرف سے آواز آئی۔

"گزارہ تو بہت سی چیزوں کے بغیر ہو سکتا ہے مثلاً جو عینک آپ نے لگا رکھی ہے، اس کی ایجاد سے پہلے بھی لوگ کسی نہ کسی طرح دیکھ لیا کرتے ہوں گے، تبھی انہوں نے اس کے بغیر جنگیں لڑ کر ملک فتح کئے۔ نئے براعظم دریافت کئے اور آپ نے جو ابھی تمباکو والا پان کھایا ہے اس کی دریافت سے قبل بھی یہ نشہ پورا ہو ہی جاتا ہو گا۔

رہ گیا شکار' سو اگر عمدہ بندوق پاس ہو' اس کا لائسنس اور کارتوس موجود ہوں تو شکار کھیلنے کو خود بخود جی چاہتا ہے۔ دن بھر کی بھاگ دوڑ انسان کو چست رکھتی ہے۔ سب جانتے ہیں کہ ورزش عمر کو بھی بڑھاتی ہے۔ میں جوانی میں اس قدر صحت مند تھا کہ اکثر ڈاکٹر مجھ سے چڑا کرتے۔ اب تک کبھی کبھی خواب دیکھتا ہوں کہ خواب میں بھی سو رہا ہوں' یعنی ڈبل نیند آتی ہے۔ سورج سے مجھے یہی شکایت رہی کہ وہ صبح کو بہت جلد نکل آتا ہے۔"

"لیکن میں نے آج تک نہ ورزش کی نہ بھاگ دوڑ' اور بالکل چست ہوں۔ عمر بھی ساٹھ سے اوپر ہے۔" ایک طرف سے آواز آئی۔

"اگر آپ خوب ورزش کرتے تو آج ستر برس سے اوپر ہوتے۔"

"آپ نے اتنے برس جنگلی درندوں کا شکار کھیلا ہے۔ آپ بڑے دلیر ہو گے۔"

"میری ذاتی رائے یہ ہے کہ اگر انسان کسی طرح اپنا ڈر چھپا سکے تو وہ دلیری کہی جا سکتی ہے۔ ویسے اس شغل کے سلسلے میں کئی دلچسپ لوگوں سے بھی ملاقات ہوئی۔"

"مثلاً۔؟"

"جنگلوں میں ایک سائیں جی ملا کرتے جن سے بہت متاثر ہوا' کیونکہ انہیں پرندوں جانوروں کی بولیاں سمجھنے کا فن آتا تھا۔ آپ تو جانتے ہیں کہ کچھوا کئی سو برس زندہ رہتا ہے۔ سائیں جی نے دو کچھوؤں کو جو میاں بیوی معلوم ہوتے تھے' آہستہ آہستہ چلتے دیکھا۔ ایک نے دوسرے سے کہا۔ "سن لیا بابا' سن لیا' تم نے میری زندگی کے بہترین ڈھائی تین سو سال تو ضائع کر دیئے ہیں' اب اور کیا چاہیے۔؟" پھر ایک دن سرحد پر ڈاکوؤں اور پولیس کی آپس میں شدید فائرنگ ہو رہی تھی۔ صحرائی ہرن پہلے تو ڈر کر چھپتے رہے۔ پھر ایک سینئر ہرن نے ہمت کر کے حالات کا معائنہ کیا اور ڈاکو کو بتایا کہ "خواتین و حضرات آپ اطمینان سے گھاس کھائیے۔ آج یہ ہمیں مارنے نہیں بلکہ ایک دوسرے کو شوٹ کر رہے ہیں۔" سائیں جی نے ان شہریوں کے قصے بھی سنائے جو پہلی مرتبہ گاؤں آتے ہیں۔ ایک بیل کھیت میں جگالی کر رہا تھا۔ شہر سے کچھ لوگ پک نک

منانے آئے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک نے نعرہ لگایا۔ "پتہ نہیں اس جانور کے منہ میں چیونگ گم کس نے ڈال دیا۔" اسی طرح روہی میں دو اونٹوں کا مکالمہ سنا۔ ایک

اونٹ اپنے دوست اونٹ سے کہہ رہا تھا کہ شدید سردی کے موسم میں میرے مالک کے مربعوں پر شہری مہمان آئے۔ علی الصبح ایک اناڑی نے مجھ پر سواری کی کوشش کی مگر میں اطمینان سے بیٹھا رہا۔ جب اسے کامیابی نہ ہوئی تو میرے کان، ماتھا، گردن کوہان ٹٹول کر آخر ہار مان گیا اور اترتے ہوئے بولا۔ "آج تو اتنی سردی ہے کہ اونٹ تک سٹارٹ نہیں ہو رہا، یہاں تک کہ اونٹ کا سٹارٹر بھی نہیں مل رہا۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو سائیں جی پر اتنا اعتقاد تھا کہ ان کی ہر بات کا یقین کر لیتے تھے۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

شاید آپ نہیں جانتے کہ مشرق کا سائیں، اطالوی اور ہسپانوی سینور SENOR اور انگریزوں کے سر SIR کے برابر ہے۔ یہ تینوں ہم رتبہ ہیں۔ ہاں تو میں جانوروں کا ذکر کر رہا تھا۔ ایک روز سائیں جی نے غلطی سے اپنے ڈلمیشن DALMATION کو ڈانٹ دیا۔ اس نسل کا کتا آپ نے تو دیکھا ہی ہو گا۔ وہی جو بڑا سارا گلدار چتکبرا کتا ہوتا ہے۔ سائیں جی کی ڈانٹ پر جو جواب ملا اسے انہوں نے فوراً سمجھ لیا۔ کتے نے بردباری سے بھونکتے ہوئے شکایت کی تھی۔ "آپ کو کتے کی صحیح ترکیب استعمال معلوم نہیں کہ دن میں آرام اور رات کو پہرہ۔ آپ نے مجھے فقط گیٹ کی چوکیداری دے رکھی ہے۔ یعنی اس پر کوا تک آبیٹھے تو خوفناک آواز میں دیر تک بلاوجہ بھونکتا رہوں۔ یہاں تک کہ آپ کے پرانے دوستوں اور عزیزوں کی آمد پر بھی غل مچاؤں۔ یعنی گیٹ کی غلط گھنٹی ہوں۔ چنانچہ دن بھر مجھے خواہ مخواہ اس قدر ہلکان کر دیا جاتا ہے کہ رات کو نیند آجاتی ہے اور جب کبھی آپ دو ہفتوں کے بعد اس خاکسار پر ملتفت ہوتے تو انگریزی میں۔ "کم بیک"۔ "نو"۔ "ڈونٹ ڈو اٹ"۔ حالانکہ کتوں کو انگریزی کیا اردو تک نہیں آتی۔ دوسری شکایت مجھے یہ ہے کہ آپ کے کچھ ملاقاتی مجھے ایسا سفید کتا سمجھتے ہیں جس پر سیاہ دھبے پڑے ہوئے ہوں۔ باقیوں کا خیال ہے کہ میں دراصل کالا کتا ہوں

جس پر غلطی سے سفید چھینٹے ڈال دیئے گئے تھے۔ یہ کوئی بھی نہیں جانتا کہ میں اعلیٰ نسل کا ڈلمیشن ہوں جو حادثات زمانہ سے جاہلوں میں آپھنسا ہوں۔"

"آپ تو کسی بھوت کا قصہ سنانے لگے تھے۔" وہی جانی پہچانی آواز آئی۔

"ابھی سناتا ہوں۔ ہاں تو سائیں جی نے ایک بلی کا واقعہ بھی سنایا۔ جو بلی کی سہیلی نے دیگر بلیوں کو بتایا تھا۔ سردی کے موسم میں اس پالتو بلی کا بچہ پھسلا اور کیچڑ میں گر گئی۔ مالک نے جو پہلوان بھی تھی' نہ ٹھنڈ کا خیال کیا نہ کسی اور چیز کا' فوراً صابن اور ٹھنڈے پانی سے اسے دھونا شروع کر دیا۔ سائیں جی قریب سے گزر رہے تھے' انہوں نے منع کیا تو جواب ملا کہ "آج اتوار ہے۔ اگر چھٹی کے دن بلی نہ دھوئی جا سکی تو ہفتے بھر اسی طرح رہے گی اور کہیں دری وغیرہ کو خراب نہ کر دے۔" اتفاق سے سائیں جی شام کو پھر وہاں سے گزرے تو دیکھا کہ بلی کا انتقال ہو چکا ہے۔ انہوں نے پہلوان کو صبح کی گفتگو یاد دلائی۔ اس پر وہ بلی ناشناس پہلوان بولا۔ "جناب یہ بلی دھونے سے نہیں مری بلکہ نچوڑنے سے مری ہے۔"

"آپ ان سائیں جی سے اب بھی ملتے ہیں؟" ایک نوجوان نے بات کاٹی۔

"نہیں۔"

"کیوں؟"

"ہوا یہ کہ ایک روز انہوں نے تاش کے کھیل شروع کر دیئے پانچ روپے کی شرط لگا کر تاش کی گڈی میرے سامنے کر کے کہنے لگے کہ کوئی سا پتہ نکال لو' تمہارے دیکھنے سے پہلے بتا دوں گا کہ کیا ہے۔ میں نے ایک پتہ نکالا ہی تھا کہ وہ بولے۔ "چڑیا کی پینچی۔۔ اور لاؤ پانچ روپے" میں حیران ہوا تو بولے کہ "اگر یقین نہ آیا ہو تو پانچ روپے کی شرط پر بے شک دوسرے پیکٹ سے پتہ نکال لو۔" انہوں نے دوسری گڈی اٹھائی۔ ابھی پتہ کھینچا ہی تھا کہ بولے۔ "حکم کا یکہ"۔ یہ حکم کا یکہ ہی تھا۔ میری حیرت پر تیسری گڈی استعمال کی گئی اور پان کا نہلا بھی انہوں نے فوراً بھانپ

لیا۔
دفعتہً انہیں ایک زبردست چھینک آئی۔۔ ایسی کہ تینوں گڈیوں کے پتے اڑ کر بکھر گئے۔ جب میں نے بے شمار پتے ایک جیسے دیکھے تو حیران ہو کر انہیں پھیلایا۔ ایک سالم پیکٹ حکم کے یکوں کا تھا' دوسری گڈی میں فقط پان کے نہلے تھے اور تیسری میں باون کے باون پتے چڑیا کی پنجیوں کے۔۔ پھر پتہ نہیں کیا ہوا کہ آہستہ آہستہ سائیں جی سے عقیدت میں فرق آتا گیا۔ آپ یہ ہرگز نہ سمجھئے کہ اس سے ان ہارے ہوئے پندرہ روپوں کا کوئی تعلق ہے۔"

"ریاستوں کی ملازمت کیسی رہی۔؟"

"بری نہیں تھی۔ اکثر راجواڑوں میں شکاری کو محض رسمی طور پر رکھنے کا رواج رہا ہے۔ یعنی اسے غیر شکارانہ کام بھی دیئے جا سکتے تھے۔ دوسرے یہ کہ نواب اور راجہ پتہ نہیں کس بات پر یونہی ناراض ہو جاتے اور کس بات پر خوش۔ کئی باتیں ایسی ہوتی ہیں جنہیں انسان سمجھا سکتا ہے لیکن خود نہیں سمجھ سکتا۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے۔ نہیں ایک دفعہ کا نہیں' کیونکہ مجھے وہ مہینہ اور سال اب تک یاد ہے۔ جنگل میں شیر دور کھڑا دھاڑ رہا تھا۔ میں نے بندوق کو مضبوطی سے تھام کر نشانہ لیا اور لبلبی دبا دی۔ لیکن اتفاق ملاحظہ ہو کہ شیر بندوق کی زد سے فقط چار فٹ دور تھا۔ گولی زناٹے سے گئی مگر شیر کی دم سے چار فٹ ادھر ٹھنڈی ہو گئی۔ خود شیر نے پیچھے مڑ کر گولی کو زمین پر گرتے دیکھا اور میں نے نوٹ کیا کہ اس کے چہرے پر غصہ بھی تھا اور مسکراہٹ بھی۔ ساتھ ہی ایک اور تماشہ ہوا۔ ایک ایسے شیطان چیتے سے آمنا سامنا ہو گیا جس کے متعلق مشہور تھا کہ اس کی چھلانگ بیس اکیس فٹ ہے۔ ادھر میرے نشانے کا یہ عالم تھا کہ بیس اکیس فٹ تک چونی اٹھنی کے دو ٹکڑے کر دیا کرتا۔ دفعتہً درختوں میں اسے اس کی انگارے جیسی آنکھیں چمکیں اور وہ آہستہ آہستہ میری طرف بڑھنے لگا۔ میں نے جھاڑیوں کی آڑلی۔ جونہی میں اور مطلوبہ فاصلے یعنی بیس اکیس فٹ پر آئے

تو فوراً اس نے مجھ پر کودنے کی تیاری کی اور میں نے شست لی۔ پتہ نہیں پہلے بندوق چلی یا وہ کودا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ نہ اسے کچھ ہوا نہ مجھے۔

اگلے ہی دن سے میں نے اسی جنگل میں اسی فاصلے پر چوبی اٹھنی رکھ کر ان پر نشانہ لگانے کی مشق شروع کر دی۔ پڑوس سے کبھی شڑاپ کی آوازیں آتیں' کبھی دھڑام دھڑام کی۔ چپکے سے جھانک کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ جہاں میں اپنا نشانہ ٹھیک کرنے کی پریکٹس کر رہا تھا وہاں چیتا بھی اپنی چھلانگ کی لمبائی اور رخ صحیح کرنے میں لگا ہوا تھا۔ اس کا میں نے کسی سے ذکر کر دیا ہو گا جو کسی طرح مہاراجہ تک پہنچ گیا تو اس نے مجھے خاص شکاری رکھ لیا۔ ساتھ ہی یہ بھی مشہور ہو گیا کہ میرا رابطہ ریاستی حکومت کی CABINET سے بھی ہے۔ کیبنٹ سے میرا تعلق ضرور تھا لیکن فقط اتنا کہ مہاراجہ کے خاص دفتر کی کیبنٹ اور اس کی کئی درازوں کو ہر ہفتے پالش کرا کے صاف ستھرا رکھا کروں۔

میں جانتا تھا کہ جیسے دیو سے مہادیو بڑا ہوتا ہے' اس طرح مہاراجہ کو بھی معمولی راجہ سے بلند ہونا چاہیے۔ لیکن نہ جانے کیوں یہ مہاراجہ کافی کنجوس تھا۔ اتنا کہ جب اس نے مجھے اپنے مہمان خانے میں ٹھہرایا ہوا تھا جہاں دونوں وقت دال کے سوا اور کوئی سالن نہ ملتا' تو ایک دن سورج گرہن کے سلسلے میں مجھ سے ہندی مہینے کی تاریخ پوچھ لی۔ میں فقط اتنا بتا سکا کہ اس تاریخ کا تو پتہ نہیں لیکن دال کی آج بارھویں تاریخ ہے۔ اس پر وہ بظاہر تو خوش ہوا اور وزیر حضوری سے کہا کہ "انہیں نوازا جائے"۔

لیکن چند ہی دنوں میں مجھے سرحدی علاقے پر بھیج دیا گیا اور ایک دوسرا شخص ترقی پر میری جگہ آگیا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ وہ مہاراجہ کا سوتیلا بیٹا تھا۔ بعد میں دیکھا کہ عہدوں پر اس کے رشتہ دار ہی رشتہ دار تھے۔ وہاں اقرباپروری کچھ اس طرح کی تھی جیسے ملکہ وکٹوریہ خود اپنی خدمات کی تعریفیں کرتے ہوئے اپنے لئے پر زور سفارش کر کے خود ہی اس کی تصدیق کریں اور پھر اپنے آپ کو وکٹوریہ کراس کا اعلیٰ اعزاز مرحمت فرمائیں۔"

"اس کے بعد کیا ہوا؟"

"وہ نوکری چھوڑ دی۔ اگلی ملازمت ایک نواب صاحب کے ہاں کی۔ تیسرے چوتھے روز ہی سے پتہ چل گیا کہ انہیں مبالغہ کرنے کہ عادت ہے۔ ہر بات کو اس قدر بڑھا چڑھا کر بیان کرتے کہ مجھ جیسے سیدھے سادے آدمی کو بہت عجیب لگتا۔ اکثر ڈینگیں مارتے رہتے۔ شکاری کے لئے اشتہار بھی انہوں نے یوں دیا تھا۔ "نواب صاحب لے لئے جو خود بے حد بلند پائے کے شکاری ہیں' ضرورت ہے ایک نو عمر' چست' پھرتیلے شکاری کی جسے کم از کم ساٹھ برس کا تجربہ ہو"۔ جب گھڑ دوڑ میں ہارتے تو بڑے فخر سے بتاتے کہ "میں تو ہمیشہ سب سے بہادر اور نڈر گھوڑے پر شرط لگاتا ہوں جو دوڑ کے بقیہ گھوڑوں کو آگے لگا کر ان کا خوب تعاقب کرتا ہے" ویسے انہیں شکار کا بالکل شوق نہیں تھا۔ کبھی کبھار شکاری پارٹی کے ساتھ تصویریں کھچوانے کے چاؤ میں جنگل جاتے تو فوٹوگرافی مکمل ہوتے ہی ہم ان کے ہاتھ سے بندوق واپس لے لیتے جو جانوروں کی بجائے خود ان کے اور ہم سب کے لئے باعث خطرہ ہوتی۔ موٹے بہت تھے۔ اتنے کہ سوتے ہوئے جمائیاں لیا کرتے اور جاگتے وقت خراٹے۔ لیکن کبھی اپنا وزن بتانا پڑ جاتا تو یہی کہتے کہ ایک من اور کئی سیر۔ آخر ایک روز میں نے بڑے ادب سے عرض کیا کہ ان کی عمر اور رتبے کو دیکھتے ہوئے اس مبالغہ آرائی پر کچھ کنٹرول ہونا چاہیے۔

بولے۔ "میاں تم ٹوک دیا کرو۔"

میں نے کہا کہ سب کے سامنے ٹوکنا اچھا معلوم نہیں ہو گا تو کہنے لگے کہ "اشارہ کر دینا' میں سمجھ جاؤں گا۔ بس ذرا سا کھانس دیا کرنا۔"

اگلے روز انہوں نے کسی مگرمچھ کا ذکر شروع کر دیا کہ "ہماری رعایا نے بے شمار درخواستیں دی ہیں کہ انہیں ایسے ظالم اور خونخوار مگرمچھ سے نجات دلائی جائے جو پچاسی فٹ لمبا ہے اور ہر وقت دریا کے کنارے انسان اور حیوان کی تاک میں رہتا ہے۔"

اس پر میں آہستہ سے کھانسا تو بولے۔ "خیر' ہم نے اپنا سیکرٹری بھیج کر پتہ کرایا تو معلوم ہوا کہ مگرمچھ پچھتر فٹ لمبا تھا۔"

میں کھانسا تو فرمایا کہ "ہم نے سوچا کہ سنی سنائی باتوں کا اعتبار۔ بہتر ہو گا کہ خود جا کر ملاحظہ فرمائیں۔"

موقع پر پہنچ کر ایک ٹیلے سے اندازہ لگایا تو وہ تقریباً پینسٹھ فٹ لمبا لگا۔

میں نے پھر گلا صاف کیا تو کہنے لگے کہ "ہم نے اپنی پسندیدہ پرانی بندوق تھامی جو عمر میں ہم سے پانچ چھ برس بڑی ہو گی' اور مگر مچھ کے قریب پہنچے۔ اس کی لمبائی کم از کم پچپن فٹ معلوم ہوتی تھی۔"

میں کھانسا تو گویا ہوئے کہ "ہم نے شست لی اور تقریباً بیس پچیس فائروں سے اسے ہلاک کیا۔ اب جو نپوایا تو مگرمچھ پینتالیس فٹ لمبا نکلا۔"

میں نے کھانسنے کی کوشش کی ہی تھی کہ انہوں نے فوراً ٹوک دیا۔ "میاں تم کھانستے رہو' اب نپ چکا ہے۔"

"نواب صاحب سچ کیوں نہیں بولتے تھے؟" ایک آواز آئی۔

"یہ سوال ان کے ماموں نے ان سے پوچھا تھا۔ نواب صاحب کا جواب یہ تھا کہ سچ فقط بچے بولتے ہیں۔ جوں جوں عمر بڑھتی ہے' موقع اور حالات کے مطابق سچ پر بھی کانٹ چھانٹ اور حاشیہ آرائی کرنی پڑتی ہے۔"

پھر حقے کا کش لگا کر بتایا کہ "نواب صاحب جب فخر سے ہمیں بتاتے کہ وہ ہر روز آٹھ گھنٹے دربار کرتے ہیں اور سات گھنٹے عبادت۔ نو گھنٹے بھیس بدل کر رعایا کی شکایات معلوم کرنے نکل جاتے ہیں۔ چھ گھنٹے پروسی ملکوں کے نمائندوں سے ملاقات اور ان کی خاطر تواضع۔ چار گھنٹے مطالعہ وغیرہ وغیرہ۔ تو ہر روز چوبیس گھنٹوں کی بجائے ٹوٹل چھتیس یا اڑتیس گھنٹوں تک پہنچ جاتا ہے۔"

"پھر آپ نے کیا کیا۔"

"میں کچھ کرنے کا سوچ ہی رہا تھا کہ نواب صاحب کے معتمد خاص بخاری صاحب سے محض اتفاقاً بدمزگی ہو گئی۔ انہوں نے مجھے بلا کر قدرے کرخت لہجے میں حکم دیا کہ انہیں یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے بخار چڑھنے والا ہو۔ لہٰذا میں اسی وقت طبیب کو حاضر

کروں۔ نہ جانے کیوں سادگی میں میرے منہ سے یہ نکل گیا کہ آپ تو خود بخاری ہیں۔
بھلا بخار کی کیا مجال جو آپ کے قریب بھی آجائے۔

اس کے علاوہ نواب صاحب نے اگلے روز اپنے دونوں بیٹوں سے تعارف کرایا۔ ان کے اتالیق کو برا بھلا کہا کہ اس نے دونوں سگے بھائیوں میں سے ایک کو ذہین قرار دیا تھا اور دوسرے کو کند ذہن۔ انھوں نے مجھ سے فرمائش کی کہ میں ان دونوں کا فائنل امتحان لوں۔
میں نے بہتیرا کہا کہ میں تو معمولی سابق پولیس مین اور شکاری ہوں۔ نہ میرے پاس کوئی ڈگری ہے۔ بھلا میں اس قسم کا امتحان کیسے لے سکتا ہوں۔
لیکن وہ مصر رہے کہ تبھی تو میں تمہیں کہہ رہا ہوں کیونکہ تم غیر جانبدار ہو اور ثابت کر دو گے کہ سگے بھائیوں کی ذہانت ایک جیسی ہوتی ہے۔
میں نے وہ لڑکے دور سے دیکھے تھے۔ ایک کے چہرے پر ذہانت کے آثار تھے اور دوسرا کچھ گھامڑ سا لگتا تھا۔
بہرحال نواب صاحب کا حکم تھا اور امتحان لینا پڑا۔ مجھے اور تو کچھ سجھائی نہ دیا۔ بس یونہی ان دونوں کو اصطبل کے ساتھ کی دو کوٹھڑیاں دکھائیں۔ ایک ایک روپیہ دیا' اور کہا کہ اس روپے سے کچھ خریدو جو پوری کوٹھڑی کو بھر دے۔
حسب توقع غبی لڑکے نے روپے کا گھاس اور بھس خرید کر اندر فرش پر بچھا دیا۔ جبکہ ذہین نے ایک آنے کی موم بتی جلا کر اپنی کوٹھڑی روشنی سے بھر دی۔
مجھے خاموش رہنا چاہیے تھا لیکن بس منہ سے نکل گیا کہ "اتالیق کا کہا درست ہے۔ آپ کے ایک بیٹے کا دماغ روشن ہے اور دوسرے کے سر میں بھس بھرا ہوا ہے۔"
اس کے بعد حالات ایسے ہو گئے کہ نواب صاحب سے جدائی اختیار کرنی پڑی۔
"کبھی آپ کو کوئی کام کی ریاست بھی ملی۔؟" کسی نے پوچھا۔
"ہاں! لیکن اس کے راجہ کا خبط تھا۔ اس کے واسطے ایک خاص عملہ رکھا ہوا تھا کہ ہر مہینے راجہ ریاست کے بارے میں کوئی نہ کوئی خبر اخباروں میں ضرور آ جائے۔ اسی

سلسلے میں افریقہ جانے کا پروگرام بنایا گیا اور مشہور کر دیا گیا کہ راجہ صاحب افریقہ کے حبشیوں اور دیگر غیر مسلح قبائلیوں کے تحفظ کے لئے وہاں کے خونخوار درندوں کا شکار کھیلنے جا رہے ہیں۔ سمندر پار جانا کافی دلچسپ ثابت ہوا اور طرح طرح کی باتیں دیکھیں اور سیکھیں۔"

"مثلاً۔؟"

مثلاً شمالی ساحلی علاقوں میں طوراغ نامی ایک قبیلہ دیکھا جس کی عورتیں پردہ نہیں کرتیں مگر ہر لڑکا بالغ ہوتے ہی سیاہ نقاب پہننے لگتا ہے۔ غالباً دنیا بھر میں فقط یہی مرد ہیں جو ہر وقت چہرے پر نقاب رکھتے ہیں اور پھر کچھ علاقے ایسے ہیں جہاں کے باشندوں کو نظر لگ جانے پر پورا اعتقاد ہے۔ نظر بد کو وہاں عین القبیحہ کہتے ہیں اور اس سے بچنے کے لئے ایک خاص قسم کا منکا پہنا جاتا ہے۔"

"وہاں آپ کو کسی لنگور، شتر مرغ یابن مانس کی نظر تو نہیں لگی؟" ایک نوجوان نے پوچھا۔

"وہی رنگین منکا ہے۔ کوشش کر لو مجھے تمہاری نظر بھی نہیں لگ سکتی۔" (شکاری نے بازو اٹھا کر منکا دکھایا) اور یہ کہ ان کو لفظ مکتوب پر مکمل اعتقاد ہے۔ یعنی جو کچھ لکھا جا چکا ہے وہ لکھا جا چکا ہے۔ ادھر ہم ہیں کہ ہر ناخوشگوار واقعے یا غمناک سانحے پر ممکن اور ناممکن وجوہات ڈھونڈنے کے چکر میں پڑ جاتے ہین کہ اگر یہ کرتے تو یوں ہو جاتا۔ وہاں ایسی حالت میں وہ فقط دونوں ہاتھ ہلا کر "مکتوب" کہہ کر صبر کر لیتے ہیں۔ یعنی انہیں کامل یقین ہے کہ تقدیر میں یہی لکھا تھا۔"

"لیکن ہمارے ہاں ڈاکخانے والے مکتوب الیہ کی ذرا پروہ نہیں کرتے۔" وہی گستاخ آواز آئی۔

"یہ آپ ڈاکخانے کے محکمے سے پوچھیے۔ تو ہوا یوں یہ اس علاقے میں ایک حبشی شکاری نے اپنے والد کا بتایا ہوا وقعہ سنایا جس کا تعلق اس دور سے ہے جب انگریز اپنی وسیع برطانوی سلطنت کو اور بڑھانے کی کوشش میں لگے ہوئے تھے۔ سکاٹ لینڈ سے ڈاکٹر

لونگسٹن جو طبیب بھی تھا اور مشنری بھی' افریقہ آیا۔ وہ بیماروں کا علاج مفت کرتا اور ساتھ ساتھ تبلیغ میں بھی مصروف رہتا۔ بہت جلد وہ اتنا مقبول ہوا کہ مقامی باشندوں کو اس سے والہانہ عقیدت ہو گئی۔ ایک دن وہ اسے ایک خاص تقریب پر لے گئے جہاں ہر سال مرد اپنی قوت برداشت کا مظاہرہ کیا کرتے۔ ایک شکاری نے کمان کا تیر اپنے بازو میں چبھو کر آر پار کر لیا اور اف تک نہ کی۔ دوسرے نوجوان نے اپنی ران میں سے نیزہ گزار دیا اور چپ رہا۔ تیسرا دہکتے ہوئے انگاروں پر چلتا رہا۔ اسی طرح دیر تک مردی اور ہمت کے یہ مظاہرے ہوتے رہے۔ پھر یکایک خاموشی طاری ہو گئی۔ اور سب اپنے محبوب ہیرو ڈاکٹر لونگسٹن کو جو ادھیڑ عمر کا تھا' دیکھنے لگے۔ جیسے کہ وہ اس سے کسی فوق البشر دلیرانہ کارنامے کی توقع رکھتے ہوں۔ پہلے تو وہ سمجھ نہ سکا لیکن جب صحیح پوزیشن کا علم ہوا تو مارے خوف کے پسینے میں بھیگ گیا۔ آخر اسے کچھ سوجھا اور ہتھوڑے اور آہنی سلاخ کی فرمائش کی۔ سلاخ اپنے جبڑے کی داہنی طرف رکھ کر ہتھوڑے سے جھوٹ موٹ ضربیں لگائیں۔ پھر سامنے اور بائیں طرف بھی یہی کیا۔ اس کے بعد محض دکھاوے کے لئے اپنے منہ میں انگلیاں ڈال کر مسوڑھوں سے کھینچاتانی کی اور بظاہر اپنی پوری قوت صرف کر کے اپنے مصنوعی دانتوں کی بتیسی نکال کر سب کے سامنے کر دی۔ حبشیوں نے کبھی مصنوعی دانت نہیں دیکھے تھے۔ اس کارنمایاں پر سارا ہجوم ڈاکٹر کے سامنے جھک گیا۔ جیسے اسے چمپئن مان لیا ہو۔"

"آپ نے راجہ کا ذکر نہیں کیا۔"

"راجہ باقاعدہ طور پر ڈرپوک تو نہیں تھا۔ بہرحال اسے دلیر بھی نہیں کہا جا سکتا۔ شیروں' گینڈوں' جنگلی ہاتھیوں کو مارنا تو بڑی بات ہے ان کے سامنے کھڑے ہونے کے لئے بھی ہمت چاہیے اور پھر یہ کہ شکار فوراً ہی نہیں مل جاتا۔ کتنی ہی مرتبہ یہ ہوا کہ دوپہر سے کسی تیندوے کی سمت میں شست لئے کھڑا ہوں اور وہ جھاڑیوں میں چھپا ہوا ہے۔ انتظار کرتا رہا' حتیٰ کہ تیندوا اور سورج دونوں جھاڑیوں کے پیچھے غروب ہو گئے۔

کچھ جانور ایسے بھی ملے جو انسانوں کی طرح شرارتیں کرنے کے عادی تھے۔ مثلاً ایک خطرناک جنگلی اود بلاؤ جب میرے تعاقب کی زد سے آگے نکل گیا تو اونچے سے درخت پر چڑھ کر کبھی مجھے ٹھینگا دکھاتا' کبھی زبان نکال کر بیہودہ اور غیر شائستہ آوازیں نکالتا۔ اور ایک رات ہانکا کرنے والے ڈھول بجا بجا کر' مشعلیں دکھا کر ایک چیتے کو ایسی موزوں جگہ گھیر لائے جس کے پیچھے بڑا سارا دریا تھا اور چیتے کا فرار ہونا بظاہر ناممکن تھا۔ بغیر کسی آہٹ کے میں دبے پاؤں آگے بڑھا۔ تلاش کرنے کے بعد دیکھا کہ جھاڑ جھنکاڑ کی دوسری طرف دو آنکھیں چمک رہی ہیں۔ یہ کسی ایسے چیتے کی معلوم ہوتی تھیں جس کی تھوتھنی اور پیشانی بڑی کشادہ ہو کیونکہ ایک آنکھ دوسری آنکھ سے خاصی دور تھی۔

مین نے اطمینان سے دونوں آنکھوں کے بیچ نشانہ لے کر فائر کیا لیکن کچھ نہ ہوا۔ پھر آگے بڑھ کر رائفل کو اپنی فولادی چھڑی کا سہارا دیا اور سانس روک کر بالکل اس کے ماتھے پر فائر کیا۔ نتیجہ کچھ نہ نکلا۔ آگے بڑھ کر اور فائر کئے۔ حتیٰ کہ کارتوس ختم ہو گئے۔

مجھے اتنا غصہ آیا کہ رائفل کو بطور لٹھ لے کر درندے پر حملہ آور ہوا تو پتہ چلا کہ سامنے دو بھیڑیئے تھے جنھوں نے ایک ایک آنکھ بند کر رکھی تھی۔

مجھے علم تھا کہ رات کو تقریباً سارے جانوروں کی آنکھیں چمکتی ہیں' لیکن ایسے خبیث بھیڑیوں سے واسطہ نہیں پڑا تھا جنھوں نے میرے قیمتی کارتوس ناحق ضائع کرا دیئے۔ انہیں رائفل سے زدو کوب کرنا چاہا تو بھاگ گئے۔"

"آپ نے راجہ کا ذکر شروع کیا تھا۔"

"ہاں تو پبلسٹی کے لئے جنگل میں عارضی کیمپ لگایا گیا۔ دن میں تصویریں اتاری جاتیں۔ ادھر رات ہوتے ہی چرخ جسے لگڑبگڑ بھی کہا جاتا ہے اس کی بھیانک ہنسی کی کرخت آواز آنی شروع ہو جاتی اور اتفاق سے یہ مکروہ جانور مہاراجہ کے خیمے کے گرد ہی چکر لگاتا۔ انہوں نے مجھے حکم دیا کہ ٹارچ والی رائفل سے اس کو ٹھکانے لگاؤں۔ آدھی

رات کے قریب جب اس نے شور مچانا شروع کیا تو میں نے رائفل سنبھالی۔ ٹارچ کی روشنی میں اس کی شکل نظر آئی۔ فائر کرنے ہی لگا تھا کہ ارادہ بدل دیا اور یونہی آسمان کی طرف رائفل چلا دی۔ وہ ڈر کر بھاگ گیا اور غالباً راجہ مطمئن ہو گیا۔ لیکن اگلی رات پھر اسی مردہ جانور کی آواز آتی رہی۔ صبح ناشتے پر راجہ نے مجھ سے پوچھا۔ ویسے میں باآسانی جھوٹ بول سکتا تھا کہ یہ کوئی دوسرا لگڑبگڑ ہو گا۔ لیکن آپ تو جانتے ہی ہیں کہ میں ہمیشہ سچ بولتا ہوں چنانچہ صاف صاف بتا دیا کہ جونہی فائر کرتے وقت ٹارچ کی روشنی ڈالی تو اس جانور کا چہرہ بالکل صاف نظر آیا۔ لیکن میں فائر نہ کر سکا۔

راجہ نے وجہ دریافت کی تو میں نے بتایا کہ "اس کی منہ بالکل راجہ کے پریس سیکرٹری کے چہرے سے ملتا تھا۔ اس کے بعد نہ جانے کیوں سیکرٹری نے مجھ سے ملنا جلنا کم کر دیا۔ حالانکہ میں نے حقیقت بیان کی تھی۔"

"اس خطے میں اور شکاری بھی تو آتے ہوں گے۔ آپ کا کسی سے مقابلہ نہیں ہوا؟"

"مغربی ملکوں سے اکثر شکاری شیر کے شکار کے لئے آیا کرتے۔ لفظ "سفر" کو انہوں نے SAFARI میں ڈھال رکھا تھا۔ اب انہیں بھی پبلسٹی کا خبط ہوتا۔ ہر ایک کے پاس چھ چھ' سات سات کیمرے ہوا کرتے۔ وہ چار یا پانچ افراد کا جتھا بنا کر مچان اور مورچے سے شیر کو قابو میں لانے کی کوشش کرتے۔ مغربی ممالک میں ہر کام میں پھرتی دکھانے کا رواج ہے' چنانچہ وہ اتنی جلد بازی سے کام لیتے کہ عموماً آخری سکور کچھ یوں ہوا کرتا۔

شکاری۔۔ صفر

شیر۔۔ چار یا پانچ شکاری"

"آپ نے کبھی راجے کو بھی شکار کھیلنے دیا۔؟"

"ہاں ایک روز مقامی لوگوں سے مل کر چیتے کے شکار کا انتظام کیا گیا۔ پتہ نہیں کس نے راجہ کے کان می پھونک دیا کہ چیتا انسان پر تب ہی حملہ کرتا ہے جب اسے بھوک لگی ہو' ورنہ نہیں۔ اونچے مچان پر راجہ اور میں بالکل محفوظ تھے مگر وہ بار بار پوچھتا

کہ یہ کیونکر معلوم ہو کہ چیتا بھوکا ہے یا نہیں؟ اتفاق سے اس روز مجھے زکام تھا جس سے بڑے بڑے پہلوان بھی چڑچڑے ہو جاتے ہیں۔ جب اس نے کوئی بیسویں مرتبہ یہی سوال کیا تو میرے منہ سے نکل گیا کہ اگر چیتا آپ کو کھالے تو سمجھ لیجئے کہ وہ بھوکا تھا۔ اس معمولی سے فقرے سے پردیس میں کچھ ایسی غلط فہمی پیدا ہوئی جو واپس وطن پہنچ کر بھی دور نہ ہو سکی۔ آیئے آیئے اپنے دونوں پاؤں پر جو بھاری بوجھ اٹھا رکھا ہے۔ اسے ہلکا کرنے کے لئے تشریف رکھئے بے وقوف حقہ اس طرح بھرتے ہیں؟ اناڑی کہیں کا" شکاری صاحب کا پہلا فقرہ بھاری بھرکم زمیندار کے لئے تھا اور دوسرا نمبردار کے ملازم کے لئے۔

"آپ تو بھوت کا قصہ سنانے والے تھے۔" ایک طرف سے آواز آئی۔

"پولیس کی ملازمت کے دوران جب بھی باہر جاتا تو رات کو کبھی کبھی ایسی جگہ بھی بسیرا ہوتا جو آسیب زدہ مشہور ہوتی۔ بھوتوں کے معتقد بتاتے کہ جس طرح دنیا بھر میں کسی بھی دو آدمیوں کے انگوٹھوں کے نشان ایک دوسرے کو دیکھ کر ٹل جاتے ہیں' کچھ اپنی ناپسندیدگی کا اظہار میز کرسیاں چارپائی وغیرہ گھسیٹ کر کر دیتے ہیں۔ بعض ایسے بھی ہوتے ہیں جنھوں نے انسانوں کے ساتھ رہنا سیکھ لیا ہے' وغیرہ وغیرہ۔ میں نے گھاٹ گھاٹ کا پانی پیا ہے لیکن اب تک کسی آسیب زدہ مکان میں آسیب نہیں دیکھا"

"گھاٹ پر تو چوپائے پانی پیا کرتے ہیں۔" وہی جانی پہچانی آواز آئی۔

شکاری نے اسے نظر انداز کرتے ہوئے کسی اور سے پوچھا۔ "تم اونگھ رہے ہو؟"

"نہیں تو۔۔"

"بھلا میں کیا کہہ رہا تھا؟"

"شاید سیبوں کا ذکر ہو رہا تھا۔"

"سیب؟"

"آسیب آسیب کئی بار سنا۔"

اتنے میں ملازم دوبارہ حقہ بھر کر لایا۔ شکاری نے کئی کش لگائے اور اس مرتبہ حقے کوفٹ

قرار دیا۔

"اور ان آسیب زدہ مکانوں میں کچھ ایسے بھی تھے جنہیں پڑوسیوں نے جان بوجھ کر بدنام کر رکھا تھا تاکہ کوئی کرائے دارانہ آسکے۔ اگر آتا تو رات کو پتھر پھینک کر یا پراسرار روشنیوں اور آوازوں سے ڈرا دیتے۔ اس لئے کہ مکان خالی رہے اور ضرورت پڑنے پر استعمال کیا جا سکے۔ جب کبھی مجھے کسی آسیب زدہ عمارت میں ٹھہرنے کا اتفاق ہوتا تو خوفناک کہانیوں سے پہلے ہی اتنا ڈرا دیا جاتا کہ رات ہوتے ہی کچھ نہ کچھ نظر آنے لگتا۔ ایک دفعہ جب میں سونے کی کوشش کر رہا تھا تو سامنے کی دیوار پر ایک مگرمچھ دکھائی دیا۔ سوچا کہ مگر مچھ پانی کے قریب ہوا کرتا ہے۔ اس کا دیوار پر چڑھنا تو بالکل ناممکن ہے۔ لیکن سامنے ہو بہو مگرمچھ تھا۔ پھر اس نے ایک لومڑی نما چیز کا تعاقب کیا۔ ہمت کر کے اٹھا تو دیکھا کہ دوسرے کمرے کی روشنی ایک پیالہ نما شیشے اور چھپکلی پر اس طرح پڑ رہی تھی کہ ہرشے کا عکس کئی گنا نظر آرہا تھا اور یہ کہ چھپکلی نے ایک بھنگے کا تعاقب کیا تھا۔

پھر اسی قسم کے ایک اور مکان کے ایک کمرے میں سونا پڑا جسے وہ ڈرائینگ روم کہہ رہے تھے۔ لیکن مجھے وہاں ڈرائینگ کا کوئی سامان نہیں ملا۔ آنکھیں بند کر کے نیند کا انتظار کرنے لگا۔ دن بھر جو خرافات سنی تھی وہ کانوں میں گونج رہی تھی۔ دفعتہً کیا دیکھتا ہوں کہ ایک پانچ فٹ اونچی شبیہہ دروازے کے پاس کھڑی ہے۔ شاید آپ کو یہ بتانا بھول گیا کہ میں جوانی میں پہلوان بھی رہ چکا ہوں۔ میں نے کروٹ بدل لی کہ اسے نظر انداز کروں تو شاید یہ ٹل جائے۔ لیکن وہ نہیں ہٹی' جیسے خم ٹھونک کر میرا انتظار کر رہی ہو۔ آخر دھوبی پٹڑا' قینچی' الٹنی یا کسی اور داؤ پیچ سے اسے ہرانے کے لئے اٹھنا ہی پڑا۔ جوں جوں میں آگے بڑھتا وہ چیز بھی میری طرف حملہ آور ہوتی۔ آخر میں نے چھلانگ لگا کر ڈبل KICK ماری۔ چشم زدن میں میں اوپر تھا اور بجلی کا بڑا فرشی پنکھا میرے نیچے۔ اور اس کے تاروں میں میرے پاؤں الجھے ہوئے تھے۔ ایک

اور آسیب زدہ مکان میں خوف سے یوں محسوس ہوا کہ اپنی ٹانگ گنوا بیٹھا ہوں۔ پھر پتہ چلا کہ کشادہ سا پجامہ پہنتے وقت جلدی میں دہنی طرف دونوں ٹانگیں پھنسا دی تھیں

اور بایاں پائنچہ خالی پڑا تھا جسے ٹٹول ٹٹول کر ڈرتا رہا۔ ایسے ہی کئی واقعات کے بعد اس نتیجے پر پہنچا کہ یہ آسیب وغیرہ سب فرضی ہیں۔"

"لیکن آپ تو کسی بھوت کا قصہ سنانے لگے تھے"

"ہاں! ریٹائر ہو کر جب اس چھوٹے سے گاؤں میں کھیتی باڑی شروع کی تو وہم و گمان تک نہ تھا کہ یہاں ایک سچ مچ کے بھوت سے واسطہ پڑے گا۔ اور بھوت بھی ایسا جو یونہی بلاوجہ پیچھے پڑ جائے۔ نہ میں نے اسے کبھی چھیڑا' نہ خفا ہونے کا موقع دیا۔ بلکہ وہ اور میں ایک دوسرے کے لئے بالکل اجنبی تھے۔ ہوا یوں کہ ایک ہفتے اپنے کھیتوں کو پانی دینے کی باری رات کو آئی۔ گھڑی دیکھ کر پورے ساڑھے دس بجے گھر سے نکلا۔ سڑک والا راستہ ذرا لمبا تھا اور میں شکار کھیل کر کچھ تھکا ہوا سا تھا اس لئے سوچا کہ پگڈنڈی والے چھوٹے رستے سے نکل جاؤں تو جلد پہنچ جاؤں گا۔ دو اڑھائی مربعوں کے بعد پرانی شمشان آتی ہے۔ وہاں جو کیکر کے چار درخت ہیں' ان کے پاس سے گزرتے ہوئے یوں محسوس ہوا' جیسے کوئی پیچھے پیچھے آرہا ہے۔ میں تیز چلنے لگا اس نے بھی رفتار تیز کر دی۔ میں آہستہ ہوا تو وہ بھی آہستہ ہو گیا۔ گھبرا کر میں نے بھاگنا شروع کیا۔ وہ بھی سرپٹ بھاگا۔ میری ہمت جواب دے رہی تھی۔ آخر میں رک گیا۔ وہ بھی رک گیا۔ آپ سے کیا چھپانا۔۔ خوف سے میں تھر تھر کانپ رہا تھا۔ پیچھے مڑ کر دیکھتا ہوں تو ایک عجیب سی شبیہہ سامنے کھڑی تھرتھر کانپ رہی ہے۔ ڈر کے مارے میرے منہ سے نکلا۔ "ہی ہی ہی ہی۔" اس نے بھی اسی طرح ہی ہی ہی ہی کہا۔ دیکھنے میں وہ ایک اوسط درجے کا بھوت تھا۔ یعنی اس کی شکل نہ تو اچھی تھی اور نہ زیادہ ڈراؤنی۔ کچھ دیر تک ہم ایک دوسرے کو دیکھ کر کانپتے اور ہی ہی ہی کرتے رہے۔ آخر میں نے دلیر بننے کی کوشش میں اپنے آپ سے کہا۔۔ "چلو بھئی گیارہ بجے پانی لگانا ہے۔"

اس نے فوراً نقل اتارتے ہوئے کہا۔ "چلو بھئی گیارہ بجے پانی لگانا ہے۔" میں اپنے کھیتوں کی طرف چل دیا۔ وہ بھی پیچھے ہو لیا۔ وہاں پہنچ کر میں نے کدال سے نالے میں شگاف کیا۔ اس کے ہاتھ خالی تھے لیکن اس نے میری نقل اتاری۔ کھیت مین پانی آنے لگا اور میں ایک ٹیلے پر بیٹھ گیا۔ وہ بھی سامنے آبیٹھا اور مجھے گھورنے لگا۔ اس کے لگاتار گھورنے پر آہستہ آہستہ میرا ڈر کم ہوتا جا رہا تھا اور اب مجھے غصہ آرہا تھا۔ آخر یہ بھوت چاہتا کیا ہے؟ کیا یہ نہیں جانتا کہ شریف آدمیوں کو خواہ مخواہ گھورنا نہ صرف آداب کے خلاف ہے بلکہ انتہائی درجے کی بدتمیزی ہے؟ پورے تین گھنٹے پانی دینا تھا اور پورے تین گھنٹے وہ ٹکٹکی باندھے میری طرف دیکھتا رہا۔ میں نے یہی سوچا کہ ایسے غیر مہذب بھوت کا کوئی نوٹس نہیں لینا چاہیے۔ چنانچہ اپنی نگاہیں ادھر ادھر رکھیں' حتیٰ کہ ڈھائی بج گئے۔ پھر گھڑی دیکھ کر اپنے آپ سے کہا۔ "اب پانی بند کر کے گھر چلتے ہیں۔" اس نے بھی اپنی خالی کلائی کو غور سے دیکھا اور بولا۔ "اب پانی بند کر کے گھر چلتے ہیں۔ واپسی پر وہ شمشان تک ساتھ آیا اور کیکر کے چار درختوں کے پاس غائب ہو گیا۔ کئی دنوں تک میں اس واقعے کے متعلق سوچتا رہا۔

اگلے ہفتے جب رات کو پانی لگانے کی باری آئی تو مجھے سڑک سے جانا چاہیے تھا۔ پھر یونہی خیال آیا کہ شاید یہ نرا وہم ہو یا بھوت کو غلط فہمی ہوئی ہو اور اس نے مجھے کوئی اور شخص سمجھا ہو۔ میں دوبارہ شمشان والے راستے سے گزرا۔ کیکر کے درختوں کے بعد میں اور بھوت آگے پیچھے چل رہے تھے۔ مچھر اڑا کر میں نے اپنی گردن کھجائی۔ اس نے بھی بالکل یہی کیا۔ میں نے چھینکیں ماریں۔ اس نے بھی کوشش کر کے دو ہلکی سی چھینکیں ماریں۔ میں کھانسا وہ بھی کھانسا۔ غصہ تو مجھے تب آیا جب میں نے ایک فلمی گانا شروع کیا اور اس نے نہایت بے سری آواز میں نقل اتاری۔ دوست احباب سب جانتے ہیں کہ ماشاء اللہ میری آواز سریلی ہے اور دھنوں سے بھی بخوبی واقف ہوں۔ ایسے نفیس گیت کا یوں ستیاناس ہوتے دیکھ کر میرا خون کھولنے لگا۔ فوراً اگلے روز

ایک پہنچے ہوئے بزرگ کے پاس گیا اور درخواست کی کہ ایسے بدتمیز اور بدذوق بھوت سے میرا پیچھا چھڑایئے۔ انہوں نے میرے لئے دعا مانگی اور ایک تعویز دیتے ہوئے فرمایا کہ میں اسے دہنے بازو پر باندھ لوں۔ پھر کچھ سوچ کر تعویذ واپس لے لیا اور بولے کہ "اگر بھوت ہو بہو وہی کچھ کرتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو تو اس سے کام کیوں نہیں لیتے؟ اس سے کھیتوں میں گوڈی کراؤ۔" چنانچہ رات کو دو کھرپے' دو درانتیاں اور دیگر مطلوبہ چیزیں سنبھالیں اور شمشان کی طرف چل دیا۔ کیکر کے درختوں سے بھوت کو ساتھ لیا اور کھیتوں میں گوڈی شروع کر دی۔ نقل اتارنے میں تو وہ استاد تھا۔ فالتو کھرپہ پکڑ کر فوراً گوڈی کرنے لگا۔ تھک کر میں ماتھے سے پسینہ پونچھتا تو وہ بھی اپنے ماتھے پر ہاتھ پھیرتا۔ میں نے درانتی چلائی تو اس نے زائد درانتی اٹھا لی۔ مین کام چھوڑ کر سانس لینے بیٹھتا تو وہ بھی ہانپتا ہوا میرے ساتھ آ بیٹھتا اور گھورنے لگتا۔ پھر ہم دونوں سرگرمی سے اپنے اپنے کام میں لگ جاتے۔ تب میں نے سوچا کہ شاید یہ بھوت اتنا برا نہیں ہے۔ فقط اسے گھورنے کی عادت کہیں سے پڑ گئی ہے۔ اگر کسی طرح یہ بیہودہ چھڑا دی جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ یہ اچھا خاصا معقول بھوت نہ بن سکے۔ ممکن ہے کہ ناساز گار حالات اور لگاتار تنہائی کی وجہ سے یہ ایسا ہو گیا ہے یا شاید اسے رفاقت کی تلاش ہو۔ ویسے یہ نہ صرف محنتی بھوت ہے بلکہ وقت کا پابند بھی ہے۔ یہ خوبی انسانوں میں بہت کم ملتی ہے اور ادھر میں کھیتی باڑی کرنے کے لئے یہاں بالکل اکیلا ہوں۔ ان دنوں میرا کوئی مددگار بھی نہیں۔ اگر یہ میرا ہاتھ بٹانے کو تیار ہو تو اسے ہر مہینے کچھ تنخواہ دے دیا کروں گا۔ چنانچہ اسے

"اتم کھیتی' مدھم بیوپار

نکھد چاکری' بھیک ندار"

والی مشہور کہاوت سنائی' جسے اس نے فوراً دوہرایا۔ صبح کے چار بجے تک میں نے اس سے خوب کام لیا۔ پھر انگڑائی لیتے ہوئے کہا۔ "بہت تھک گئے۔ اب چلنا چاہیے۔" وہ بھی انگڑائی لے کر بولا۔ "بہت تھک گئے۔ اب چلنا چاہیے۔" میں خوش خوش گھر

پہنچا کہ ایک اچھا اسسٹنٹ مل گیا ہے لیکن اگلے دن جو کھیتوں کو دیکھتا ہوں تو گوڈی فقط اس حصے میں ہوئی تھی جس میں میں نے کام کیا تھا۔ جس حصے میں بھوت ہاتھ چلاتا رہا بدستور گھاس پھونس سے بھرا ہوا تھا۔ مجھے اس قدر غصہ آیا کہ بیان نہیں کر سکتا۔ سیدھا ان بزرگ کے پاس گیا اور التجا کی کہ ایسے کام چور نکمے بھوت کی میں شکل تک نہیں دیکھنا چاہتا۔ انہوں نے کچھ سوچ کر فرمایا کہ اسے ایک چانس اور دینا چاہیے۔ شاید اسے گوڈی کرنی نہ آتی ہو' یا گوڈی پسند نہ ہو۔ اس سے ہل چلوا کر بھی دیکھ لو۔ اس کے بعد اگلی مرتبہ سہ پہر کو ایک فالتو ہل مین کھیت میں چھوڑ آیا اور دو بیل بھی وہیں باندھ دیئے۔ رات کو بیل وغیرہ لے کر چلا۔ کیکر کے درخت سے بھوت کو ساتھ لیا اور صبح کا ستارہ طلوع ہونے تک ہم دونوں ہل چلاتے رہے۔ لیکن جب اگلے دن جا کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ صحیح ہل صرف میں نے چلایا تھا۔ اس کے حصے میں صرف بیلوں کے کھروں کے نشان تھے' ہل بالکل نہیں چلا تھا۔ تب مجھے یقین ہو گیا کہ یہ بھوت سدھرنے کی سٹیج سے گزر چکا ہے۔ بزرگ سے درخواست کی کہ اس حیلہ ساز بھوت سے' جو سارے بھوتوں کے لئے باعث ننگ ہے' میری خلاصی کرائے۔ انہوں نے حسب معمول میرے لئے دعا مانگی اور ایک تعویز دیا کہ اسے بائیں بازو پر باندھ لوں۔ پھر کچھ سوچ کر تعویز واپس لے لیا اور میرے کان میں سرگوشیاں کیں۔ مین یہ بتانا بھول گیا کہ وہ بھوت روز بروز بدتمیز ہوتا جا رہا تھا۔ شروع شروع میں تو وہ مجھ سے چند گز کے فاصلے پر رہتا۔ اب قریب آتے آتے بالکل ساتھ آکھڑا ہوتا۔ منہ چڑاتا' نقلیں اتارتا۔ غرضیکہ ایسی بے تکلفی برتتا جیسے برسوں کا واقف بھوت ہو۔ ادھر میری حالت یہ ہو چکی تھی کہ روز روشن میں بھی سڑک پر چلتے چلتے یہ شبہ رہتا کہ کوئی پیچھے آرہا ہے۔ کسی سے بات کرتے ہوئے ڈرلگتا کہ کہیں یہ نقل نہ اتارنے لگے۔

میں نے بزرگ کی ہدایات پر عمل کرتے ہوئے ایک کھیت میں دو گڑھے کھودے۔ پہلے کو فقط مٹی اور راکھ سے بھرا اور اوپر بڑی ساری اینٹ رکھ دی۔ دوسرے میں مغرب سے پہلے کوئلے اور لکڑیاں ڈال کر انہیں خوب سلگایا۔ پھر اوپر راکھ ڈال کر ویسی ہی

اینٹ رکھ دی۔ رات ہوتے ہی شمشان کا رخ کیا۔ درختوں کے پاس بھوت منتظر ملا۔
اسے ساتھ لے کر کھیتوں میں پہنچا۔ اس رات طرح طرح کے تماشے کئے۔ مین چھلانگیں

لگائیں' اس نے بھی لگائیں۔ مین بیٹھکیں نکالیں' ڈنٹر نکالے۔ اس نے فوراً نقل اتاری۔
پھر نئی نئی فلمی دھنیں گائیں اور اس نے اچھے اچھے بھلے گانوں کا بیڑا غرق کر دیا۔
ورزش کا پروگرام دوبارہ شروع کیا گیا جو دیر تک رہا۔ آخر میں تھک کر چور ہو گیا۔
ادھر بھوت کی حالت بھی قابل رحم تھی۔ آخر میں نے جمائی لے کر کہا۔ "تھک گئے
بھئی۔" کہیں بیٹھ کر ستا لیں۔" وہ بھی گڑھوں کی طرف چلتے ہوئے بولا۔ "کہیں
بیٹھ کر ستا لیں۔" میں جلدی سے ٹھنڈی اینٹ پر بیٹھ گیا۔ وہ بھی جلدی سے دوسری
اینٹ پر بیٹھا جو راکھ سے ڈھکی ہوئی تھی مگر دہک رہی تھی۔ بیٹھتے ہی اس نے زور
سے نعرہ بلند کیا۔ آپ سب تو جانتے ہی ہیں کہ بھوت آگ سے ڈرتے ہیں۔ قصہ مختصر'
اس رات وہ ایسا غائب ہوا جیسے کبھی تھا ہی نہیں۔ اس کے بعد میں رات کو بارہا شمشان
کی طرف سے گزر لیکن وہ کبھی نہیں دکھائی دیا۔"

شکاری صاحب نے کہانی ختم کر کے مونچھوں کو تاؤ دیا اور حقے کے کش لگانے لگے۔

"آپ نے اس سے چھٹکارا تو پا لیا۔ لیکن گرم سرد اینٹوں کے سلسلے میں سپورٹس مین
سپرٹ نہیں دکھائی۔" وہی نوجوان بولا۔

"برخودار تم اچھی طرح جانتے ہو کہ سپورٹس مین سپرٹ وہ نہیں رہی جو پہلے ہوا کرتی
تھی۔ سپورٹس مین اب رقم لے کر کھیلتے ہیں اور سپرٹ ممنوع ہے۔"

ہم نے نمبردار صاحب کو تلاش کیا تو پتہ چلا کہ وہ تو کبھی کے جا چکے ہیں۔ واپسی پر
کتوں کے لشکر نے ہمیں پھر گھیر لیا اور میں نے اس پھرتی سے لٹھ گھمایا کہ وار میرے
دوست کی کمر پر پڑا۔ گڑ کی پوٹلی اس کے ہاتھ سے نالے میں گر گئی اور ہم سرپٹ
اپنے گاؤں کی طرف بھاگے۔ رستے میں ہم نے فیصلہ کیا کہ گھر والوں سے کہہ دیں
گے کہ گڑ کتے کھا گئے اور لالٹین بھی انہی نے توڑ دی۔

ہمیں سڑک والا لمبا رستہ لینا چاہیے تھا لیکن جلدی میں سیدھے پگڈنڈی پر کھیتوں کی طرف جا رہے تھے۔ شمشان کے قریب جب کیکر کے چار درخت آئے تو ہم بالکل نہیں ڈرے کیونکہ اب ہمیں بھوتوں کو دفع کرنے کا آزمودہ اور آسان ترین نسخہ معلوم تھا۔

****

دُعاگو
شاھدریاض
shahid.riaz@gmail.com